خطباتِ فقیر

اللہ جل جلالہ

جلد اکتالیس

- رحمٰن کے دو محبوب کلمے
- دنیا کی حقیقت
- محاسبۂ نفس
- سالک کا طرزِ زندگی
- ولایت کے درجات
- تین محبوب چیزیں

پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، مفکرِ اسلام

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا

پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

MAKTABA-TUL-FAQEER
223-SUNNT PURA FAISALABAD.
PH: 0092-41-2618003

مکتبۃ الفقیر

خطباتِ فقیر

41

پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات
17	...... عرض ناشر
19	...... پیش لفظ
21	...... عرض مرتب
25	① رحمٰن کے دو محبوب کلمے
27	...... حدیث تسبیح کا بیان
29	...... میزان کی جمع کیوں لائی گئی؟
30	...... میزانِ عدل قائم کرنے میں حکمت
31	...... دو قسم کے لوگوں کا حساب نہیں ہوگا
33	...... روز قیامت، میزان قائم ہونا یقینی ہے
33	...... معتزلہ کا انکار
34	...... مختلف اقسام کے میزان
35	...... وزن کس کا ہوگا؟
36	...... صاحبِ میزان کون؟
39	...... رواۃ الحدیث
39	...... احمد بن اشکاب رحمۃ اللہ علیہ:
39	...... محمد ابن فضیل رحمۃ اللہ علیہ
40	...... عمارہ بن قعقاع رحمۃ اللہ علیہ

صفحہ نمبر	عنوانات
41	محدث ابوزرعۃ رحمۃ اللہ علیہ
43	یسمی مسلسلاً بالکوفیین
43	سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ
46	متن الحدیث
47	اللہ کی بندے سے محبت کی دلیل
48	رحمٰن کون ہے؟
50	زبان پر ہلکے کلمات
52	میزان میں بھاری کلمات
53	کلام کا اعجاز
55	سُبْحَانَ اللّٰہِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے کی عادت ہونی چاہیے
56	اسم تنزیہ
57	اسمِ جلالہ ''اللہ''
57	بے نقطہ نام
58	اسمِ اعظم کونسا ہے؟
59	نام کا اثر شخصیت پر
60	''اللہ'' کے اسم اعظم ہونے کی دلیل
62	اللہ کا نام ''تعلق'' کے لیے ہے
64	اللہ اپنی تعریف آپ بیان کرتے ہیں
65	حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا اللہ کی حمد بیان کرنا
67	عظمتِ شان کے متعلق قرآنی آیات
67	کلمات کو پڑھنے کا ثواب

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات
135	❁...... محاسبہ کی اقسام
135	❁...... عمل سے پہلے محاسبہ
136	❁...... عمل کے بعد محاسبہ
137	❁...... فرائض میں محاسبہ
137	❁...... گناہوں کا محاسبہ
138	❁...... مباحات میں محاسبہ
138	❁...... لایعنی کاموں کا محاسبہ
139	❁...... مخصوص وقت میں محاسبہ
141	❁...... فضیلت کے اوقات میں محاسبہ
141	❁...... فضیلت کی جگہوں پر محاسبہ
141	❁...... محاسبہ کون کرے
143	❁...... محاسبہ کہاں سے شروع کریں؟
145	❁...... نفس کو سزا دینا
145	❁...... اکابرین امت کی مثالیں
150	❁...... سلف صالحین کا دستور
151	❁...... محاسبہ نفس سے روکنے والے عوامل
153	❁...... محاسبہ نہ کرنے والے کی علامات
154	❁...... محاسبہ نفس کو آسان بنانے والے عوامل
155	❁...... خود احتسابی
155	❁...... بزرگوں کے واقعات کا مطالعہ
155	❁...... نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات
164	...... ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ
165	...... سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ
167	...... محاسبِ نفس کا روزِ محشر حساب آسان
168	...... محاسبہ پر فکرمند کرنے والی چند آیات
170	...... روزِ قیامت پوچھا جائے گا......
173	۴ سالک کا طرزِ زندگی
175	...... راہِ سلوک میں اہم اور مفید باتیں
175	...... (۱) باوضو زندگی گزارنا
176	...... باوضو رہنے کے تین فائدے
176	...... پہلا فائدہ......شیطان سے حفاظت
177	...... دوسرا فائدہ......نماز اور عبادات آسان
177	...... تیسرا فائدہ......باوضو موت
177	...... وضو کیسے قائم رہے؟
178	...... دائم الوضو فیملی
179	...... وضو پر اللہ کی مدد
179	...... مشائخ کی وضو پر مداومت
180	...... عشاء کے وضو سے فجر کی نماز
181	...... حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا دوامِ وضو
184	...... توفیق اللہ کی طرف سے ہے
185	...... (۲) مسنون دعاؤں کا اہتمام کرنا
185	...... مسنون دعاؤں کے الفاظ پر عقلِ انسانی کی رسائی ناممکن

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات
221	...... ایمان کی قدر ہونی چاہیے
222	...... ایمان والوں سے اللہ کی دوستی
223	...... (۲) ولایت خاصہ
224	...... تقوٰی والے اللہ کے ولی
225	...... ہر قسم کا بندہ ولایت حاصل کر سکتا ہے
225	...... لمحوں میں ولایت ملتی ہے
226	...... شریعت کے راکھویں لیلے
226	...... گناہوں کو چھوڑنے والا مستجاب الدعوات
227	...... عبادت کرنے کی نسبت گناہوں کو ترک کرنا ضروری ہے
228	...... ولایتِ خاصہ کے درجات
228	...... (۱) ولایتِ صغرٰی
228	...... (۲) ولایتِ کبرٰی
229	...... ولایت سے پہلے اور بعد کا فرق
230	...... طبعی کراہت کی ایک اور مثال
232	...... اللہ کے ولی، اللہ کی حفاظت میں
232	...... نبوت اور ولایت میں فرق
233	...... اللہ سے دوستی لگانے کا آج وقت ہے
235	۶ تین محبوب چیزیں
237	...... نبی علیہ السلام کی مجالس، مثالی مجالس
238	...... ایک یادگار مجلس کا تذکرہ

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

☆☆☆☆

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ (الاسراء:۴۴)

بیان: محبوب العلماء والصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: یکم رجب ۱۴۳۲ھ، بروز جمعہ، مطابق 3 جون 2011ء

موقع: تقریبِ ختمِ بخاری شریف بعد از نمازِ جمعہ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

اقتباس

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سننے والے کا شوق بڑھانے کے لیے پہلے بتا دیا کہ دو کلمے ہیں پھر فرمایا: حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمَانِ ''اللہ کو بڑے پیارے ہیں''۔ تو حسنِ کلام دیکھیے کہ سننے والے کی طلب کو بڑھا دیا، آگے فرمایا: ثَقِيْلَتَانِ فِى الْمِيْزَانِ ''وہ میزان کے اندر بڑے بھاری ہیں، ان کا اجر بہت زیادہ ہے''۔ اتنا زیادہ کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ''سبحان اللہ'' پڑھنے سے آدھا میزان بھر جاتا ہے اور ''الحمد للہ'' پڑھنے سے بقیہ آدھا بھی بھر جاتا ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

رحمٰن کے دو محبوب کلمے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾

بَابُ: قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ وَ اَنَّ اَعْمَالَ بَنِيْ آدَمَ وَ قَوْلَهُمْ يُوْزَنُ وَ قَالَ مُجَاهِدٌ: اَلْقِسْطَاسُ الْعَدْلُ بِالرُّوْمِيَّةِ وَ يُقَالُ: اَلْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِطِ وَ هُوَ الْعَادِلُ وَ اَمَّا الْقَاسِطُ فَهُوَ الْجَائِرُ حَدَّثَنِيْ اَحْمَدُ بْنُ اِشْكَابٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ اَبِيْ زُرْعَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم: كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

حدیث تسبیح کا بیان:

بخاری شریف کی آخری حدیث مبارکہ پڑھی گئی۔ اس کو ''حدیث تسبیح'' کہتے

ہیں۔اس لیے کہ اس میں ''سبحان اللہ'' پڑھنے کے فضائل بتائے گئے، یہ ''حدیثِ تسبیح'' اختتامِ بخاری شریف کے موقع پر خوب پڑھی جاتی ہے۔ یہ عاجز بھی ایک طالب ہونے کے ناطے اسی حدیث مبارکہ پر گفتگو کرے گا۔ اللہ رب العزت اپنی مدد عطا فرمائے اور صحیح بات کہنے کی توفیق عطا فرمائے!

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک آیت مبارکہ لائے ہیں

﴿وَ نَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ﴾

''نَضَعُ'' کہتے ہیں نَحْضُرُ کو یعنی ہم پیش کریں گے۔

''مَوَازِیْنَ'' یہ میزان کی جمع ہے۔

''قِسْطِ'' عدل کو کہتے ہیں۔

''لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ'' قیامت کے دن۔

یعنی ہم قیامت کے دن میزانِ عدل کو قائم کریں گے۔

اب ان کے الفاظ کی اور تفصیل بھی سن لیجیے:

مَوَازِیْن

موازین جمع ہے میزان کی، اس کی اصل تھی مِوْزَانٌ، لیکن

فَقُلِبَتِ الْوَاوُ یَاءً لِکَسْرَةِ مَا قَبْلَهَا

واؤ کو یا کے ساتھ بدل دیا کہ اس سے پہلے کسرہ تھا، تو یہ میزان بن گیا۔

''میزان'' کا لفظی مطلب ہوتا ہے تولنے والی چیز۔ ہم اپنی زبان میں اس کو ''ترازو'' بھی کہتے ہیں۔ عربی میں اس کو ''میزان'' کہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اس میزان کو قیامت کے دن قائم فرمائیں گے۔

میزان کی جمع کیوں لائی گئی؟

اس میزان کو جمع کے صیغے کے ساتھ کیوں لایا گیا؟ کیا ایک میزان ہوگا یا کئی میزان ہوں گے؟ تو جمہور علما نے کہا کہ ہوگا تو ایک میزان، لیکن جمع کا صیغہ لانے میں کئی معارف ہیں:

(۱) پہلی بات تو یہ کہ اس کے مختلف اجزا ہوں گے۔ایک پلڑا نیکیوں والا ہوگا اور ایک پلڑا برائیوں والا۔ پھر ایک اس میں لسان ہوگی، جس سے پتہ چلے گا کہ بھاری سائیڈ کونسی ہے۔تو میزان کے اجزا کی وجہ سے جمع کا صیغہ لایا گیا۔

(۲) بعض محدثین نے فرمایا کہ چونکہ مختلف اشخاص ہوں گے اور اتنے اشخاص کے نامۂ اعمال تلیں گے تو نامۂ اعمال کی کثرت کی وجہ سے جمع کا صیغہ لایا گیا۔

(۳) اور بعض محدثین نے فرمایا کہ چونکہ ایک بندے کے اعمال مختلف ہوتے ہیں، لہٰذا اعمال بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے جمع کا صیغہ لایا گیا۔جیسے فرمایا گیا:

﴿وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ﴾ (الاعراف:۹)

تو قرآن مجید میں بھی جمع کا صیغہ ہے۔

(۴) اور علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ احتمال ہے کہ

اَنْ یَّکُوْنَ الْجَمْعُ لِلتَّفْخِیْمِ

''یہ جمع تَفْخِیْم کے لیے ہے''

''تَـفْـخِـیْـم'' تعظیم کو کہتے ہیں کہ کوئی چیز بڑی ہو تو اس کی عظمت کی وجہ سے جمع کا صیغہ لایا جاتا ہے۔اور اس کی دلیل قرآن مجید کی آیت ہے۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ نِ الْمُرْسَلِينَ﴾ (الشعرا:۱۰۵)

اب نوح علیہ السلام تو اپنی قوم کی طرف اکیلے بھیجے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مرسلین کا لفظ استعمال کیا، جو جمع کا صیغہ ہے۔تو اس سے یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ ''میزان'' کی جمع عظمت کی وجہ سے اور اہمیت کی خاطر یہاں لائی گئی۔

اَلْقِسْطُ

اب آگے لفظ ہے ''اَلْقِسْطُ'' قسط کہتے ہیں عدل کو۔یعنی میزانِ عدل قائم کرنا۔

میزانِ عدل قائم کرنے میں حکمت:

میزانِ عدل کیوں قائم کریں گے؟اس کی کئی وجوہات ہیں۔مثلاً: ایک تو یہ کہ ایک انسان ساری زندگی نیکی کرتا ہے اور دوسرا انسان بدی کرتا ہے۔تو عدل یہی ہے کہ نیکی والے کو اس کا اجر ملے اور برائی والے کو اس کی سزا ملے۔اگر قیامت کے دن کوئی محاسبہ ہی نہ ہو تو پھر نیک اور برے تو سب برابر ہو گئے۔

پھر اللہ رب العزت کی ایک صفت ہے کہ آپ کا نام ''اَلْمُقْسِطُ'' ہے یعنی عدل والا۔تو اپنی صفت کے ظہور کی خاطر کہ میں مقسط ہوں اللہ رب العزت قیامت کے دن میزانِ عدل کو قائم فرمائیں گے۔

لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ

بخاری شریف کے بہت سارے ایسے نسخے بھی ہیں جن میں یہ دو الفاظ روایت نہیں کیے گئے، مگر ہمارے پاس جو نسخہ ہے اس میں لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ کے الفاظ بھی یہاں پر موجود ہیں۔

وَ اَنَّ اَعْمَالَ بَنِیْ آدَمَ وَ قَوْلَهُمْ یُوْزَنُ

پھر آگے فرمایا:

وَ اَنَّ اَعْمَالَ بَنِیْ آدَمَ وَ قَوْلَهُمْ یُوْزَنُ

''اور بنی آدم کے اعمال اور ان کے اقوال کا وزن کیا جائے گا''

دو طرح کے ہی معاملے ہوتے ہیں: ایک قول اور ایک فعل۔ فعل کو ''عمل'' کہتے ہیں اور قول انسان کی بات ہوتی ہے۔ دونوں کو تولا جائے گا۔ باتوں کو بھی اور Practical عملوں کو بھی تولا جائے گا۔ سب کے اعمال کو تولا جائے گا۔

دو قسم کے لوگوں کا حساب نہیں ہوگا:

ظَاهِرُهُ التَّعْمِیْمُ اگر چہ ایک عمومی بات یہی ہے کہ سب کے اعمال کو تولا جائے گا، مگر (خُصَّ مِنْهُ طَائِفَتَانِ) دو گروہ ایسے ہوں گے کہ جن کا حساب کتاب نہیں ہوگا۔

پہلی قسم:

(اَلْاَوَّلُ) مَنْ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِغَیْرِ حِسَابٍ كَمَا فِیْ قِصَّةِ السَّبْعِیْنَ اَلْفًا

''ایک تو وہ ہوں گے جو جنت میں بغیر حساب کے جائیں گے جیسا کہ ستر ہزار والی حدیث میں آیا ہے۔''

ایک حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ قیامت کے دن بعض ایسے لوگ ہوں گے کہ جن کا حساب کتاب نہیں ہوگا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اُعْطِیْتُ سَبْعِیْنَ اَلْفًا مِنْ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَیْرِ حِسَابٍ

''اللہ رب العزت نے مجھے یہ فضیلت بخشی کہ میری امت کے ستر ہزار بندے بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔''

اب جب یہ پڑھتے ہیں کہ ستر ہزار بندے بغیر حساب کے داخل ہوں گے تو خوشی بھی ہوتی ہے اور دل بھی گھبراتا ہے۔ اس لیے کہ امت کے تو اربوں کھربوں انسان ہوں گے ان میں سے صرف ستر ہزار بغیر حساب کے جائیں گے تو ہم کس کھاتے میں ہوں گے؟ تو ڈر بھی لگتا ہے، مگر حدیثِ مبارکہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آگے ایک اور بات ارشاد فرمائی۔ فرماتے ہیں:

((فَزَادَنِیْ مَعَ کُلِّ وَاحِدٍ سَبْعِیْنَ اَلْفًا)) (کنز العمال، رقم: ۳۹۳، ۴۱۲/۱۱)

''یہ ایسے ہوں گے کہ ان میں سے ہر بندہ اپنے ساتھ ستر ہزار اور بندوں کو جنت میں لے کر جائے گا۔''

ایک تو حدیث پاک سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ہوں گے جن کا حساب کتاب نہیں ہوگا۔

دوسری قسم:

(وَ الثَّانِیْ) مِنَ الْکُفَّارِ مَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ اِلَّا الْکُفْرَ وَ لَمْ یَعْمَلْ حَسَنَةً فَاِنَّهٗ یَقَعُ فِی النَّارِ مِنْ غَیْرِ حِسَابٍ

(فتح الباری لابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، ۵۳۸/۱۳ باب قول اللہ تعالیٰ: و نضع الموازین القسط)

''(اور دوسرا) وہ کفار کہ جن پر کفر کا گناہ تو ہوگا، مگر انہوں نے انسانوں کے حقوق نہیں دینے ہوں گے۔ وہ اپنے کفر کی وجہ سے بغیر حساب کتاب کے جہنم میں بھیج دیے جائیں گے۔''

اس کے علاوہ وہ ایمان والے جنہوں نے نیکی بھی کی ہوگی، گناہ بھی کیے ہونگے، ان سب کا قیامت کے دن حساب ہوگا۔

روز قیامت، میزان قائم ہونا یقینی ہے:

قیامت کے دن کے حساب کے بارے میں قرآن کریم کی آیت ہے کہ

﴿ وَ الْوَزْنُ یَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ ﴾

''قیامت کے دن حساب لازمی ہوگا''

اور فرمایا:

﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (الاعراف:۸)

''جن کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا وہ فلاح پائیں گے''

﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾

''اور جن کا پلڑا ہلکا ہوگا وہ اپنی جانوں پہ ظلم کرنے والے ہوں گے''

معتزلہ کا انکار:

اس امت میں ایک طبقہ گزرا ہے جو عقل پرست تھا، اس کو ''معتزلہ'' کہتے تھے۔ معتزلہ اعتزال سے ہے یعنی مسلمانوں کی جماعت سے وہ الگ ہوگئے۔ Main stream (سیدھی راہ) سے ایک طرف ہوگئے۔ انہوں نے کہا کہ جی یہ تو بات سمجھ میں ہی نہیں آتی کہ عمل کیسے تولے جائیں گے؟ ان میں یہ بات تھی کہ وہ ہر چیز کو عقل کے پیمانے پہ پرکھا کرتے تھے اور یہی ان کی گمراہی کی دلیل تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس بات کا رد کیا کہ وزن ہوگا۔ اب انہوں نے جو رد کیا تو انہوں نے نبی علیہ السلام کی حدیث کا رد نہیں کیا۔ بلکہ خود اللہ رب العزت کے حکم کا رد کیا۔

﴿فَمَنْ رَدَّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَدْ رَدَّ عَلَى اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ﴾

''جس نے نبی ﷺ کا رد کیا اس نے اللہ رب العزت کا رد کیا''

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ قیامت کے دن وزن کا ہونا حق بات ہے۔

مختلف اقسام کے میزان:

آج کے زمانے میں اس بات کو سمجھنا آسان ہے کہ ضروری تو نہیں ہوتا کہ ہر چیز کو ترازو پہ تولا جائے۔ آجکل تو کئی طرح کے میزان ہیں۔ اب سوچیے کہ گندم اور جو کے لیے جو ترازو ہوتا ہے، سونے اور چاندی کے لیے وہ تو نہیں ہوتا۔ اور جو اہلِ صرف اور نحو ہیں ان کے میزان الگ ہوتے ہیں۔ اب ایک صرفی صاحب بیٹھے ہوئے یہ دیکھ رہے ہیں کہ اب یہ لفظ کس میزان پہ پورا اترتا ہے تو اس کا میزان کوئی تکڑی تو نہیں ہے؟ اس کا میزان الگ ہے، لیکن نام میزان ہے۔ آج کے دور میں تو

......بلڈ پریشر کو تولا جاتا ہے

......ٹمپریچر کو تولا جاتا ہے

......ہیومیڈیٹی کو تولا جاتا ہے

......شوگر کو تولا جاتا ہے

ہر چیز کا میزان ہے۔ جو پروردگار آج ان چیزوں کے میزان بنوا سکتے ہیں وہ قیامت کے دن اپنی قدرت سے وہ میزان بنائیں گے جس سے انسانوں کے اعمال کو بھی تولا جائے گا۔ اہلِ سنت کے نزدیک نیک اعمال کو اچھی صورت میں اور نورانی شکل میں پیش کیا جائے گا، اور برے اعمال کو ظلمت والی شکل میں پیش کیا جائے گا اور اس طرح اس کا میزان ہوگا۔

وزن کس کا ہوگا؟

یہاں پر محدثین کے نزدیک ایک اور مسئلہ چلا کہ وزن کس چیز کا کیا جائے گا؟

⊙......ایک بات تو یہ ہے کہ اعمال کو بھی تولا جائے گا۔ حدیثِ پاک سے اس کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو درداؓ کی روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لَا یُوْضَعُ فِی الْمِیْزَانِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ شَیْئًا اَثْقَلُ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ

(مسند البزار:۲/۱۱۲)

''قیامت کے دن میزان کے اندر اچھے اخلاق سے زیادہ بھاری اور کوئی عمل نہیں ہوگا''

تو اس حدیثِ پاک سے پتہ چلتا ہے کہ اعمال کو تولیں گے۔

⊙......بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نامۂ اعمال کو تولا جائے گا۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیثِ مبارکہ نقل کی ہے کہ ایک بندے کے ننانوے دفتر گناہ کے ہوں گے اور ان کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور دوسرے پلڑے میں بطاقہ (ایک چھوٹی سی کاغذ کی پرچی) اس پر رکھا جائے گا اور اس پر کلمہ لکھا ہوگا۔ اس بندے کے اخلاص کی وجہ سے وہ چھوٹا سا ٹکڑا اتنا بھاری ہوگا کہ نیکی کا پلڑا جھک جائے گا۔

(ترمذی، رقم:۲۶۳۹ باب فیمن یموت و ھو یشھد......)

⊙......بعض احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انسانوں کو تولا جائے گا۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ ابن مسعودؓ کی پنڈلیاں بہت پتلی تھیں اور ساتھی ان کو دیکھتے تھے تو ہنستے تھے۔ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابنِ مسعودؓ کے بارے میں فرمایا:

﴿لَرِجْلُ عَبْدِاللّٰهِ فِي الْمِيْزَانِ اَثْقَلُ مِنْ اُحُدٍ﴾
(معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم:۴/ ۱۷۶۹۔اتحاف الخیرۃ المھرۃ:۷/ ۲۸۸)

''ان کی پنڈلیاں قیامت کے دن میزان میں احد پہاڑ سے بھی زیادہ بھاری ہوں گی''

تو تینوں طرح کی احادیث ہیں۔تطبیق یہ ہے کہ یہ اللہ کا اختیار ہے، چاہیں گے تو اعمال تول لیں گے، چاہیں گے تو نامۂ اعمال تول لیں گے اور چاہیں گے تو بندے کو تول لیں گے۔ یہ مالک کی مرضی ہے جس کے بارے میں چاہیں گے جو فیصلہ فرمادیں گے۔ یہ بات ذہن میں رکھیے گا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کا منصف بھی ہے، مگر قیامت کے دن کا مالک بھی ہے۔چونکہ جو جج ہوتا ہے وہ تو قانون کا پابند ہوتا ہے، اس کے اپنے ہاتھ بھی بندھے ہوتے ہیں، اس نے قانون کے مطابق ہی عمل کرنا ہوتا ہے، قانون سے ادھر ادھر نہیں ہوسکتا، لیکن مالک کی شان اور ہوتی ہے اس کا اپنا اختیار ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن کا مالک ہوں عدل تو قائم کروں گا، لیکن اگر میری منشا ہوگی تو کسی پر میں رحمت بھی فرمادوں تو میرا اختیار ہے، میں رحمت فرمادوں گا۔

صاحبِ میزان کون؟

قیامت کے دن صاحبِ میزان کون ہوگا؟ یعنی انسانوں کے نامۂ اعمال کو کون تولے گا؟ محدثین نے لکھا:

صَاحِبُ الْمِيْزَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
''جبرائیل علیہ السلام قیامت کے دن صاحب میزان ہوں گے۔''

آگے فرمایا:

وَ قَالَ مُجَاهِدٌ: اَلْقِسْطَاسُ الْعَدْلُ بِالرُّوْمِيَّةِ

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے مفسر گزرے ہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے خصوصی شاگرد تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''قسطاس'' کا معنی ہوتا ہے عدل اور یہ لفظ بنیادی طور پہ رومی زبان کا تھا، مگر اس کو عربوں نے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ایسے بہت سارے الفاظ ہیں جو ابتدائی طور پر مختلف زبانوں کے تھے، لیکن وہ عربوں کے ہاں میزان پر پورے اترتے تھے اور ان کا جب استعمال شروع ہو گیا تو وہ عربی زبان کے الفاظ ہی کہلائے، کیونکہ میزان پر پورے اترتے تھے اور ان کے استعمال میں آ چکے تھے۔ تو آج ان کو قرآن کا لفظ کہا جائے گا اور عربی کا لفظ کہا جائے گا۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ کہتے ہیں کہ

''ہر چہ در کانِ نمک نمک شد''

''نمک کی کان میں جو چیز چلی جاتی ہے وہ بھی نمک بن جاتی ہے۔''

تو جب عربوں نے استعمال شروع کر دیا اور اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں نازل فرما دیا تو اب اگرچہ پہلے وہ لفظ کسی اور زبان کا تھا، لیکن اب وہ عربی کا لفظ کہلائے گا۔ ابتدا میں یہ لفظ تھا ''قِسْطَار''، را کو سین سے بدل دیا تو ''قسطاس'' بن گیا۔ اور چونکہ اللہ رب العزت نے فرمایا: ''قُرْآنًا عَرَبِيًّا'' قرآن کو عربی زبان میں اتارا۔ اس لیے اب اس لفظ کا قران مجید میں ہونا کوئی عربی زبان کے خلاف بات نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاتقان'' میں تقریباً ایک سو الفاظ ایسے گنوائے ہیں کہ وہ مختلف زبانوں کے تھے، مگر عربوں نے اس کا استعمال شروع کر دیا۔

وَ يُقَالُ: اَلْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِطِ وَ هُوَ الْعَادِلُ وَ اَمَّا الْقَاسِطُ فَهُوَ الْجَائِرُ

عربی زبان کی یہ خوبی ہے کہ ایک ہی لفظ کے حروف کے اوپر جو اعراب ہیں اگر وہ بدل جائیں تو معنی بدل جاتے ہیں۔

اَلْقَسْطُ: ایک لفظ ہے ''ق'' پر فتح کے ساتھ، اس کا معنی ہے ناانصافی۔ اس قَسْط سے بنا قَاسِط یعنی ظالم انسان۔ تو اس کے بارے میں فرمایا: فَهُوَ الْجَائِرُ۔

اَلْقِسْطُ: بھی ایک لفظ ہے اس کا معنی ہے انصاف، اور قِسْط سے مُقْسِطُ بنا یعنی انصاف کرنے والا۔ چنانچہ فرمایا گیا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾

''اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں''

ایک حدیث شریف میں نبی علیہ السلام نے فرمایا:

﴿اَلْمُقْسِطُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ﴾

(کنز العمال:۶/۱۱، رقم:۱۴۶۱۵)

''قیامت کے دن انصاف والا بندہ نور کے منبر کے اوپر بٹھایا جائے گا''

آگے حدیث مبارکہ شروع ہوتی ہے۔ متن سے پہلے ہم اس حدیث مبارکہ کے راویوں پر نظر ڈالتے ہیں۔

احمد بن اشکاب رحمۃ اللہ علیہ:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کو اپنے ایک استاذ سے نقل کرتے ہیں، جن کا نام ''احمد ابن اشکاب'' تھا۔ یہ ''اشکاب'' کے لفظ کو مصری لوگ ''شکیب'' کہتے تھے۔ شکیب کہیں یا اشکاب کہیں، بہرحال یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے استاد ہیں کہ جو بڑے ثقات میں سے تھے۔

ابن حبان نے ان کو ثقات میں لکھا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں فرمایا: ثِقَةٌ مَأْمُوْنٌ صَدُوْقٌ

اتنے اعلیٰ الفاظ ان کے لیے استعمال کیے۔

ابوزرعۃ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں فرمایا: كَانَ صَاحِبَ حَدِيْثٍ

اور عباس بن محمد الدوری رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

كَتَبَ عَنْهُ يَحْيَ ابْنُ مَعِيْنٍ كَثِيْرًا

''ان سے یحییٰ بن معین نے کثیر حدیثیں روایت کی ہیں''

یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ تو جرح اور تعدیل کے بڑے امام تھے اور راویوں کو پرکھنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ تو ان جیسے بزرگ نے اگر ان سے حدیثیں نقل کی ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ یہ بڑے ثقہ بزرگوں میں سے تھے۔

محمد بن فضیل رحمۃ اللہ علیہ:

احمد بن اشکاب نے اس حدیث پاک کو محمد بن فضیل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا۔ یہ بڑے محدثین میں سے تھے، لیکن ایک بات عجیب ہے کہ اس حدیث مبارکہ کو جتنے محدثین

نے نقل کیا انہی سے نقل کیا۔ یہاں پر آ کر صرف یہ اکیلے راوی ہیں۔ تو جس محدث نے بھی نقل کیا اس نے محمد بن فضیل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا۔ چنانچہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَمْ اَرَ هٰذَا الْحَدِيْثَ اِلَّا مِنْ طَرِيْقِهٖ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ

''اس سند سے ہم نے اس طریقے کے سوا اس حدیث کو اور کہیں نہیں دیکھا''

اس لیے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر حکم لگایا:

حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ

تو غرابت جو آ گئی وہ اسی لیے کہ راوی ہی ایک ہے، اگرچہ ثقہ راوی ہے۔

ابتدا بھی غریب انتہا بھی غریب:

تو اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلی حدیث جو نقل کی اس میں عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ عجیب بات ہے کہ جتنے صحابہ نے روایت کی، عمر رضی اللہ عنہ سے کی۔ تو وہاں بھی ایک راوی اور یہاں بھی ایک راوی، وہ بھی غریب یہ بھی غریب۔ تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمانا چاہتے تھے کہ دیکھو! جو غریب بن کر رہے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس بندے کی قدر فرمائیں گے۔

عمارہ بن قعقاع رحمۃ اللہ علیہ:

یہ عمارہ بڑے ثقات بزرگوں میں سے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے اپنے استاد حضرت شیخ حارث اکلی رحمۃ اللہ علیہ ان سے حدیث نقل فرماتے تھے، کتنی عجیب بات ہے کہ استاد اپنے شاگرد سے حدیث نقل فرماتے تھے، اللہ نے ان کو یہ علمی شان عطا فرمائی تھی۔

اور اس وقت کے دو بڑے بزرگ تھے۔ ایک حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ تھے جو فقیہ بھی تھے اور محدث بھی تھے۔ اور ایک حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ یہ بڑے

محدث تھے۔ ان کو کہتے ہیں: سفیانین۔ ان دونوں نے بھی عمارہ سے احادیث کو نقل کیا۔

یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ ان کو ثقہ لکھتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک استاد علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جن کے بارے میں مشہور ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ کی محفل ہو اور میں وہاں ہوں اور مجھے وقت گزرنے کا پتہ نہ چلے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی صحبت میں ایسا مزا اور لطف آتا تھا۔ یہ علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے تیس احادیث آگے روایت کی گئی ہیں۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں فرمایا: ثقہ ہیں۔ ان کی توثیق کی، مگر یہ بھی فرمایا کہ بعض احادیث ایسی ہیں

اَرْسَلَ عَلَى ابْنِ مَسْعُوْدٍ

جو انہوں نے ڈائریکٹ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہیں۔

درمیان میں ایک راوی حذف ہو گیا اس لیے وہ مرسل کہلائے۔

محدث ابوزرعۃ رحمۃ اللہ علیہ:

انہوں نے اس حدیث کو روایت کیا ابوزرعۃ رحمۃ اللہ علیہ سے جو حافظ الحدیث تھے، علم میں ان کا بڑا مقام تھا۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کے بارے میں قصہ مشہور ہے کہ ان کا ایک شاگرد محفل سے ذرا دیر سے گھر گیا، نئی نئی شادی ہوئی تھی تو بیوی نے کہا کہ کیوں مجھے اتنا انتظار کروایا؟ اس نے کہا: بھئی! میں اپنے استاد کی مجلس میں تھا۔ اس نے کہا: تیرے استاد کو کچھ نہیں آتا، تجھے کیا آئے گا؟ اب وہ بھی نوجوان تھا، استاد کے بارے میں کڑوی بات برداشت نہ کرسکا تو اس نے آگے سے کہہ دیا کہ اگر میرے استاد کو

ایک لاکھ حدیثیں یاد نہ ہوں تو تجھے تین طلاق۔ نوجوان تھے، غصے میں طلاق کی باتیں کر بیٹھے، رات گزر گئی، صبح عقل ہوش ٹھکانے آئی تو بیوی کو بھی احساس ہوا کہ میں نے غلطی کی، مجھے استاد کے بارے میں تو کچھ نہیں کہنا چاہیے تھا۔ لڑکے نے بھی سوچا کہ میں نے غلطی کی، اس نے بیوقوفانہ بات کی تو میں نے کیوں بیوقوفی کی؟ دونوں چاہتے تھے کہ طلاق نہ ہو لیکن فیصلہ کون کرے؟ بیوی نے پوچھا: اب کیا ہوگا؟ اس نے کہا کہ میں استاد سے پوچھوں گا، تصدیق کروں گا کہ ایک لاکھ حدیثیں یاد ہیں کہ نہیں؟ چنانچہ وہ ابوزرعۃ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور انہوں نے آکر واقعہ سنایا اور کہا کہ بتائیں! میری بیوی کو طلاق ہوئی یا نہیں ہوئی؟ تو ابوزرعۃ رحمۃ اللہ علیہ مسکرائے اور فرمایا کہ جاؤ! میاں بیوی کی طرح رہو، ایک لاکھ حدیثیں مجھے اس طرح یاد ہیں جس طرح عام لوگوں کو سورۂ فاتحہ یاد ہوتی ہے۔

ابوزرعۃ وہ بزرگ ہیں جن کی وفات کا وقت قریب آیا تو شاگرد سوچنے لگے کہ ہم حضرت کو کلمہ کیسے یاد دلائیں؟ تو انہوں نے سوچا کہ جس حدیث پاک میں کلمے کا تذکرہ ہے ہم وہ سناتے ہیں تو مضمون واضح ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے حدیث پڑھنی شروع کر دی۔ جیسے ہی انہوں نے دو تین سندیں پڑھیں تو ابوزرعۃ رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے کہ کون سی حدیث پڑھنا چاہتے ہیں؟ تو انہوں نے خود تلاوت شروع کر دی اور تلاوت کی کہ

مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

اتنا کہا اور فوت ہو گئے اس سے آگے دَخَلَ الْجَنَّةَ کے الفاظ کو Practicaly (عملاً) بتا دیا کہ جنت کے اندر داخل ہو گئے۔ حدیث مبارکہ کی روایت کرتے ہوئے موت آگئی۔

یسمی مسلسلًا بالکوفیین:

یہ جو چار بزرگ ہیں (۱)احمد ابن اشکاب رحمۃ اللہ علیہ (۲) محمد بن فضیل رحمۃ اللہ علیہ (۳) عمارہ بن القعقاع رحمۃ اللہ علیہ اور (۴) ابوزرعۃ رحمۃ اللہ علیہ یہ چاروں کوفہ کے رہنے والے تھے۔کوفیین میں سے ہیں۔اللہ رب العزت نے مدینہ کو مہبطِ وحی بنایا اور کوفہ کو اللہ رب العزت نے علما کا مسکن بنایا۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو آباد کیا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو انہوں نے بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو جا کر علم کی تلقین کریں۔تو انہوں نے اتنا علم سکھایا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ آئے تو کہنے لگے کہ اللہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر رحمت فرمائے،اس نے اس شہر کو علم سے بھر دیا ہے۔

مصر ایک ملک تھا،اس کے اندر تین سو صحابہ گئے،کوفہ ایک شہر ہے،اس کے اندر پندرہ سو صحابہ تھے۔اور اس شہر کے اندر چار ہزار محدثین اور بڑے فقہا پیدا ہوئے۔ چار ہزار محدثین اور فقہا جس شہر کے اندر ہوں اس شہر کی علمی شان کتنی ہوگی!!۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حدیث حاصل کرنے کے لیے بخارا سے کتنی دفعہ کوفہ گیا، مجھے تعداد یاد نہیں ہے۔اتنی کثرت سے وہ علم حاصل کرنے کے لیے کوفہ جاتے تھے۔

چونکہ یہ چار راوی کوفہ کے ہیں تو اس حدیث کو کہتے ہیں:

مُسَلْسَلًا بِالْکُوْفِیِّیْنَ

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ:

جس صحابی سے یہ حدیث روایت ہوئی ہے ان کا نام ہے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ۔ یہ ان کی کنیت ہے۔وہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام مجھے ''اَبَا ھِرٍّ'' فرماتے تھے اور لوگوں نے مجھے ''اباھریرہ'' کہنا شروع کر دیا۔ یہ ''اسم تصغیر'' کہلاتا ہے۔ان کا اصل نام کیا تھا؟ اس

بارے میں کئی روایتیں ہیں، مگر زیادہ راجح قول یہ ہے کہ کفر میں، شرک کی حالت میں ان کا نام عبد الشمس تھا۔ جب اسلام قبول کر لیا تو ان کا نام رکھا گیا: عبدالرحمٰن۔ ان سے ہزاروں احادیث مروی ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ میری والدہ نبی علیہ السلام کی شان میں کبھی کبھی کوئی عجیب لفظ کہہ دیتی تھیں جو مجھے ناگوار گزرتا تھا۔ تو میں ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! میری ماں ایسے ایسے الفاظ کہہ دیتی ہے، آپ مجھے اجازت دیں میں اپنی اس ماں کو قتل ہی کر دوں۔ کہتے ہیں: نبی علیہ السلام میری طرف دیکھ کر مسکرائے، فرمایا: ابوھریرہ رضی اللہ عنہ! تم اسے قتل کرنا چاہتے ہو یا یہ کہتے ہو کہ میں دعا کروں اللہ اس کو ہدایت عطا فرما دے؟ میں نے کہا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! دعا فرما دیجیے! نبی علیہ السلام نے دعا کر دی۔ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اٹھ کر وہاں سے گھر کی طرف بھاگا۔ ذہن میں یہ تھا کہ دیکھتے ہیں: میں گھر پہلے پہنچتا ہوں یا میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا پہلے پہنچتی ہے۔ کہتے ہیں: میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو کھلنے میں دیر لگی۔ جب والدہ نے دروازہ کھولا تو مجھے بتایا کہ میں غسل کر رہی تھی، تاکہ کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام میں داخل ہو جاؤں۔ میں شہادت دیتی ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

یہ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو ہر وقت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میرے مہاجر بھائی تجارت میں لگے ہوتے تھے اور انصار بھائی اپنے باغوں کی نگرانی میں لگے ہوتے تھے اور ایک ابوھریرہ ہی تو تھا جو نبی علیہ السلام کے ساتھ ساتھ چپکا ہوا ہوتا تھا۔ ہر وقت، ہر مجلس میں نبی علیہ السلام کے ساتھ۔ فرماتے ہیں کے مجھے اتنا فاقہ اٹھانا پڑتا تھا کہ بھوک کی وجہ سے میں مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے دروازے پہ گر پڑتا تھا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ شاید مرگی کا دورہ پڑ گیا ہے، حالانکہ وہ مرگی کا دورہ نہیں تھا، وہ بھوک کی وجہ سے

ہوتا تھا۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ بھوک برداشت کرنے والا صحابی سب سے بڑا محدث بنا۔ (معرفة الصحابه لابی نعیم) آج تو طلبا سمجھتے ہیں نا کہ روغن بادام سر میں لگاؤ قوت حافظہ بڑھے گی۔ ان کو تو کئی کئی دن کھانے کو نہیں ملتا تھا، مگر تقویٰ تھا۔

﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ﴾

اس تقوی کی وجہ سے اللہ نے ان کو علم میں ایسا مقام عطا کیا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں بھول جاتا ہوں، فرمایا کہ چادر بچھاؤ، انہوں نے بچھائی تو نبی علیہ السلام نے چلو بھر کر چادر میں ڈالا اور فرمایا کہ سینے سے لگا لو۔ انہوں نے لگا لیا پھر فرمایا کہ اس کے بعد مجھے کوئی چیز نہ بھولتی تھی۔ (بخاری، رقم: ۱۱۹)

ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بہت روایات بیان کرتے تھے۔ ان سے چار ہزار کے قریب روایات کی گئی ہیں۔ ایک دفعہ ایک آدمی نے سوچا کہ اتنی زیادہ روایتیں کرتے ہیں، میں چیک تو کروں کہ یہ روایت فی المعنی تو نہیں کرتے۔ یعنی بات تو صحیح ہو، لیکن الفاظ اپنے ہوں۔ چنانچہ اس نے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاں دعوت دی، بٹھایا اور پردے کے پیچھے اس نے دو لکھنے والوں کو بٹھا دیا کہ جو احادیث سنائیں تم ان کو لکھو۔ ساری احادیث لکھ لی گئیں۔ پھر ایک سال گزر گیا، ایک سال کے بعد اس نے پھر اسی طرح دعوت دی، جب کھانا کھا چکے تو اس نے ان دونوں بندوں کو پردے کے پیچھے بٹھایا ہوا تھا، ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا کہ حضرت! پچھلے سال جو حدیثیں سنائی تھیں، بڑا مزہ آیا تھا، بس وہی حدیثیں سنا دیں۔ وہ چیک کرنا چاہتا تھا کہ کتنی یاداشت ہے؟ چنانچہ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کے کہنے پر پچھلے سال والی احادیث سنائیں۔ پردے کے پیچھے بیٹھے دونوں بندوں نے تصدیق کی کہ کہیں ایک لفظ کا بھی فرق نہیں تھا۔

متن الحدیث

تو یہ سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں جو نبی علیہ السلام سے اس حدیث مبارکہ کو نقل کرتے ہیں۔فرماتے ہیں:

قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم: كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِى الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

كَلِمَتَانِ

نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''دو کلمے ایسے ہیں''۔ ''کلمہ'' اگرچہ ایک لفظ کو کہتے ہیں، لیکن کبھی مجازاً پورے کلام کے لیے بھی بول دیا جاتا ہے، اس کو کہتے ہیں:

اِطْلَاقُ كَلِمَةٍ عَلَى الْكَلَامِ

''کلمہ کا لفظ کلام پر بول دینا۔''

جیسے ہم کہہ دیتے ہیں کلمۂ اخلاص، کلمۂ شہادت۔ وہ ایک لفظ تو نہیں ہوتا، وہ تو پورا فقرہ ہوتا ہے، لیکن کلام کے اوپر کلمہ کے لفظ کا اطلاق ہو جاتا ہے، لہٰذا یہاں كَلِمَتَانِ کا معنی بنے گا كَلَامَانِ کہ دو کلمے ایسے ہیں۔

حَبِيْبَتَانِ

آگے فرمایا:

حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمَانِ

''رحمان کو بڑے پسند ہیں۔''

اب عجیب بات کہ ''حَبِیْبَتَانِ'' کا معنی ہے

اَیْ: مَحْبُوْبَتَانِ لِلّٰہِ تَعَالٰی

''اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہیں۔''

اور ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اَیْ: مَحْبُوْبٌ قَائِلُھُمَا

''ان کا جو پڑھنے والا ہے وہ اللہ کو بڑا پیارا ہے۔''

اللہ کی بندے سے محبت کی دلیل:

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے سے محبت ہے۔ اس کی دلیل:

قُبُوْلُ دُعَائِہٖ وَ تَقْصِیْرُ سَیِّئَاتِہٖ وَ ھِدَایَتُہٗ اِلٰی مَا یُقَرِّبُ اِلَیْہِ وَ حِمَایَتُہٗ مِنَ الْمَعَاصِیْ لِاَنَّہٗ سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالٰی یَغَارُ عَلَیْہِ

''اللہ تعالیٰ بندے کی دعا کو قبول کرتے ہیں، گناہوں کو معاف کرتے ہیں، جو خود کو اللہ کے قریب کرے ان کی رہنمائی فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ گناہوں سے اس کو بچاتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ غیرت کھاتے ہیں کہ میرا بندہ نافرمانی کرے''

اسی لیے بندے کی صفات سے اللہ کو محبت ہے۔ فرمایا:

وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُؤْمِنِیْنَ

وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ

وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصَّابِرِیْنَ

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ

ایک حدیث پاک میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک صحابی کے بارے میں فرمایا کہ

﴿اِنَّ فِیْکَ خَصْلَتَیْنِ یُحِبُّھُمَا اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ، اَلْحِلْمُ وَ الْاَنَاۃُ﴾

(مسلم:۱/۴۸)

''تمہارے اندر دو خوبیاں ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول پسند کرتے ہیں:
(تمہارے اندر) تحمل مزاجی ہے اور صبر ہے۔''

ان دونوں صفتوں کو اللہ بہت پسند فرماتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ انسان اپنے عمل، اپنے کلام کی وجہ سے اللہ کو پیارا لگتا ہے۔ تو یہ دو کلمے ایسے ہیں کہ حَبِیْبَتَانِ جو ان کا کہنے والا ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کو بڑا پیارا ہوگا۔

اِلَی الرَّحْمَانِ

یہ رَحْمٰن اللہ رب العزت کا ایک اسم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سارے اسما میں سے اس اسم کو پسند فرمایا۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے ''رحمٰن'' کا لفظ استعمال کیا۔

رحمٰن کون ہے؟

اس کی وجہ کیا ہے؟

......رحمٰن اس کو کہتے ہیں کہ جو اپنے اور پرائے سب پر مہربان ہو

......رحمٰن اس کو کہتے ہیں کہ جو تھوڑے عمل پر زیادہ اجر دینے والا ہو۔

چونکہ یہ فقرے تو چھوٹے سے تھے اور عمل کا اجر بہت زیادہ تھا، اس لیے رحمٰن کا لفظ یہاں زیادہ موزوں تھا۔ فرمایا:

خُصَّ ھٰذَا الْاِسْمُ بِالذِّکْرِ دُوْنَ سَائِرِ الْاَسْمَاءِ لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنَ الْحَدِیْثِ بَیَانُ سِعَۃِ رَحْمَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی عِبَادِہٖ

''اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے رحمٰن کو خاص کیا گیا اس لیے کہ حدیث میں اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت کی وسعت کو بیان کرنا مقصود تھا''

بتانا مقصود تھا کہ اللہ کی رحمت اپنے بندوں پر کتنی وسیع ہے؟

تو رحمٰن وہ ذات ہے جو تھوڑے عمل پر زیادہ اجر دینے والی ہو۔ اس کی ایک دو مثالیں سن لیجیے۔

⊙ ......ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مَنْ قَالَ: ''جَزَى اللّٰهُ عَنَّا مُحَمَّدًا مَا هُوَ اَهْلُهٗ'' اَتْعَبَ سَبْعِيْنَ مَلَكًا اَلْفَ صَبَاحٍ (مسند الشامیین:۳/۱۹۶)

''اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ جزا دے جس کے وہ اہل ہیں'' (یہ درود شریف پڑھنا) ستر ہزار فرشتوں کو ایک ہزار دن تک تھکا دیتا ہے''

یہ درود شریف جو بندہ پڑھے، ستر ہزار فرشتے اس کا ثواب ایک ہزار دن تک لکھتے رہتے ہیں۔

اللہ اکبر کبیرا! چھوٹا سا فقرہ ہے اور اس کا ثواب فرشتے ایک ہزار دن تک لکھتے رہتے ہیں۔

⊙ ...... چنانچہ ایک اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے، اسی مرتبہ یہ درود شریف پڑھ لے:

﴿اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ بَارِكْ وَ سَلِّمْ تَسْلِيْمًا﴾ (القول البدیع)

اللہ رب العزت اس بندے کے اسی سال کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔

اب آج تو بندے کی زندگی ہی اسی سال مشکل سے ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ایک دن اگر یہ عمل کر لیں گے تو عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ہماری پوری زندگی کے گناہوں کو معاف فرما دے۔ تو چونکہ تھوڑے عمل پر اتنا اجر دیتے ہیں اس لیے رحمٰن کا لفظ یہاں زیادہ سجتا تھا۔

خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ

زبان پر ہلکے کلمات:

خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ

''وہ زبان پر بڑے ہلکے ہیں، ان کا پڑھنا بہت آسان ہے۔''

اَیْ سَهْلَتَانِ عَلَيْهِ لِلِيْنِ حُرُوْفِهِمَا وَ سُهُوْلَةِ مَخَارِجِهِمَا

''ان کے حروف آسان ہیں، اس لیے یہ دو فقرے پڑھنے زبان پر بہت سہل ہیں۔ان کے مخارج ایسے ہیں کہ ان الفاظ کو ادا کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔''

وہ کون سے فقرے ہیں؟

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

اب ذرا اس پر غور کر لیجیے کہ یہ دونوں فقرے زبان پر کتنے آسان ہیں؟ جو تجوید کا علم جانتے ہیں، بالخصوص طلبا، وہ سمجھتے ہیں کہ حروف کے مخارج ہوتے ہیں۔ ہر حرف کو اس کے مخرج سے نکالنا ہوتا ہے اور ہر حرف کی کچھ صفات ہوتی ہیں۔ان میں سے بعض ''صفاتِ لازمہ'' ہوتی ہیں۔ ''صفاتِ لازمہ'' ختم ہو جائیں تو حرف ہی بدل جاتا ہے۔تو صحیح یہ ہے کہ ہر حرف اپنے مخرج سے اُن صفات کے ساتھ ادا کیا جائے، اس کو تجوید کہتے ہیں۔ یہ جتنے حروف ہیں جو **سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ** میں ادا کیے گئے یہ سب کے سب حروف ادا کرنے بھی آسان ہیں اور صفات کے ساتھ پڑھنے بھی آسان ہیں۔

مثال کے طور پر چند مثالیں طلبا ذرا توجہ سے سن لیں:

(۱)......بعض حروف، حروفِ شدیدہ کہلاتے ہیں۔ یہ وہ حروف ہیں کہ جن کو ادا کرتے

وقت آواز بند ہو جاتی ہے اور اس میں ایک قسم کی سختی ہوتی ہے۔ ان کا جو مجموعہ ہے وہ ہے: اَجِدُكَ قَطَبْتَ۔ حروف شدیدہ میں سے ''ب'' اور ''د'' یہ دو حروف ایسے ہیں جو ان کلمات میں استعمال ہوئے، باقی کوئی حرف استعمال ہی نہیں ہوا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کلمے میں بہت تھوڑے حروف شدیدہ ہیں۔ اتنے فقرے میں صرف دو حروف شدیدہ آئے ہیں۔

۲...... پھر ''حروفِ قلقلہ'' ہوتے ہیں۔ یہ وہ حروف ہیں کہ جن کو ادا کرتے وقت مخرج سے آواز تھوڑی سی ہل جاتی ہے۔ تو ان کلمات میں ''ب'' اور ''د'' کے سوا کوئی اور ''حروفِ قلقلہ'' میں سے نہیں ہے۔

۳...... کچھ ہوتے ہیں ''حروفِ مستعلیہ'' یہ موٹے ادا کیے جاتے ہیں۔ ان کے مجموعے کو کہتے ہیں خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ۔ یہ موٹے ادا ہوتے ہیں اور ان حروف کو ادا کرتے وقت زبان کی جڑ تالو سے لگ جاتی ہے اس لیے یہ ادا کرنے ذرا مشکل ہوتے ہیں۔ ان میں صرف ظ کا لفظ عظیم میں استعمال ہوا، باقی کوئی حرف، حروف استعلاء میں سے نہیں ہے۔

۴...... پھر بعض حروف، ''حروفِ مستثقلہ'' کہلاتے ہیں۔ یعنی ثقیل حروف۔ جیسے ''ث'' اور ''ش'' تو یہ حروف بھی نہیں ہیں۔

۵...... کچھ الفاظ، الفاظِ مستثقلہ کہلاتے ہیں جیسے فعل یا (وَ الْاِسْمُ الَّذِیْ لَا یُنْصَرَفُ) وہ اسم جو غیر منصرف ہو، وہ بھی ثقیل ہوتا ہے۔ تو ان میں سے بھی کوئی نہیں ہے۔

تو معلوم ہوا کہ یہ واقعی ایسا کلام ہے جس کلام کے اندر ثقل بہت کم ہے۔ زیادہ حروف آسانی سے ادا ہوتے ہیں۔ لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ ''اکثر کے لیے کل کا حکم لگا دیتے ہیں۔'' تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ

''زبان سے ان کا ادا کرنا بھی آسان ہے۔''

تیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْخِفَّةُ مُسْتَعَارَةٌ لِلسُّهُوْلَةِ

''خفت، سہولت کے لیے ہوتی ہے''

ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ

میزان میں بھاری کلمات:

پہلے دو باتیں ہوگئیں کہ یہ دو کلمے ایسے ہیں کہ ''رحمٰن کو بڑے پیارے'' ایک بات اور دوسری بات کہ ''زبان پہ بہت ہلکے'' اور آگے تیسری بات فرمائی:

ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ

''میزان کے اندر بڑے بھاری ہیں۔''

کہنے میں آسان، مگر اجر بڑا عظیم الشان۔

ثقیلتان کیوں کہا؟

اَیْ: بِالْحَسَنَاتِ الْمُضَاعَفَةِ لِقَائِلِهِمَا وَ الْأُجُوْرِ الْمُدَّخَرَةِ لِلذَّاكِرِ بِهِمَا

چونکہ اجر بہت زیادہ ملتا ہے اس وجہ سے ان کو کہا کہ یہ ''ثَقِيْلَتَان'' ہیں۔

حدیث مبارکہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں:

﴿اَلتَّسْبِيْحُ نِصْفُ الْمِيْزَانِ ، وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَؤُهُ﴾

(کنز العمال: ۱/۴۶۲، رقم: ۲۰۰۱)

''سبحان اللہ'' پڑھنے سے آدھا میزان بھر جاتا ہے اور ''الحمد للہ'' پڑھنے سے سارا میزان نیکیوں سے بھر جاتا ہے''

اور ایک حدیث پاک میں ہے:

تَسْبِيْحَةٌ بِحَمْدِ اللّٰهِ فِيْ صَحِيْفَةِ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ تَسِيْرَ مَعَهٗ جِبَالُ الدُّنْيَا ذَهَبًا (مصنف ابنِ ابی شیبہ:۱۳/۴۵۰)

''مومن کے نامۂ اعمال میں ''الحمد للہ'' کی تسبیح موجود ہو یہ بہتر ہے اس سے کہ دنیا کے پہاڑ سونا بن کر اس کے ساتھ چلنے لگ جائیں''

تو چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کو بڑے پیارے، زبان سے ادا کرنے بڑے آسان، میزان کے اندر بڑے بھاری ہیں۔

کلام کا اعجاز:

آگے کلمات ارشاد فرمائے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

یہاں پر ایک نکتہ دیکھیں! اس کو کلام کا اعجاز کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے شروع سے نہیں بتا دیا کہ بھئی! تم سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ پڑھو، تمہیں یہ ثواب ملے گا۔ نہیں! پہلے فرمایا: كَلِمَتَانِ ''دو کلمے ایسے ہیں'' پھر فرمایا: حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمَانِ اللہ کو بڑے پیارے ہیں۔ اب یہ جو کلمات بیان کرنے سے پہلے فرمایا کہ اللہ کو بڑے پیارے ہیں، اس میں حسنِ کلام ہے۔ کیوں کہ اس سے سامع کے اندر طلب پیدا ہو جاتی ہے کہ بھئی! جب معلوم ہوا کہ اللہ کو بڑے پیارے ہیں تو وہ توجہ سے سنتا ہے کہ کون سے کلمے ہیں؟ جو اللہ کو اتنے پیارے ہیں۔ چنانچہ اس کے بارے علما نے لکھا کہ

اَلنُّکْتَةُ فِیْ تَقْدِیْمِ الْخَبَرِ تَشْوِیْقُ السَّامِعِ اِلَی الْمُبْتَدَاءِ

چنانچہ فرمایا کہ جب بات کرنے والا اس طرح سے بات کرے کہ خبر پہلے دے دے، اصل بات نہ بتائے تو سامع کے دل کے اندر ایک تجسس، ایک طلب آ جاتی ہے، کہ آگے کیا ہے؟ اب اس کلمے کے اندر ''کَلِمَتَان'' خبر ہے اور ''حَبِیْبَتَانِ'' یہ صفت ہے اور ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ'' یہ آگے جا کر مبتدا بنتا ہے۔ چنانچہ یہ ''جملہ اسمیہ خبریہ'' بنتا ہے، مگر اس میں پہلے نہیں بتایا گیا کہ کیا ہے؟

وَ کُلَّمَا طَالَ الْکَلَامُ فِیْ وَسْطِ الْخَبَرِ حَسُنَ تَقْدِیْمُہٗ لِاَنَّ کَثْرَةَ الْاَوْصَافِ الْجَمِیْلَةِ تَزِیْدُ السَّامِعَ شَوْقًا

سننے والے کا شوق اور بڑھ جاتا ہے کہ مجھے بتایا جائے کہ یہ کون سے کلمے ہیں جو اللہ کو اتنے پیارے ہیں۔

مثال:

اس کی ایک مثال دی ہے۔ لگتا ہے کہ کسی خاتون کو اپنے خاوند سے بہت زیادہ پیار تھا تو اس نے اس کے بارے میں شعر بنایا:

ثَلَاثَةٌ تَشْرَقُ الدُّنْیَا بِبَهْجَتِهَا
شَمْسُ الضُّحٰی اَبُوْ اِسْحٰقَ وَ الْقَمَرُ

''تین ہیں جنہوں نے اپنی خوبصورتی سے دنیا کو منور کر دیا، چمکتا سورج، ابو اسحٰق اور چاند''

ذرا توجہ کیجیے گا! پہلے مصرعے میں بتایا کہ تین ہیں جنہوں نے اپنی خوبصورتی سے، اپنے نور سے دنیا کو منور کر دیا۔ اب اس فقرے کو سن کر ایک شوق پیدا ہوتا ہے کہ پتہ تو کرو کہ کون ہیں؟ پہلے فقرے میں صرف یہ خبر دی کہ تین ایسے ہیں کہ ان کے

جمال نے دنیا کو منور کر دیا۔ پھر اگلے فقرے میں بتایا کہ ایک سورج اور ایک ابو اسحاق اور ایک چاند، تین چیزوں نے دنیا کو منور کیا ہوا ہے۔ تو یہ بات کرنے کا ایک انداز ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سننے والے کا شوق بڑھانے کے لیے پہلے بتا دیا کہ دو کلمے ہیں پھر فرمایا: حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمَانِ "اللہ کو بڑے پیارے ہیں"۔ تو حسنِ کلام دیکھیے کہ سننے والے کی طلب کو بڑھا دیا، آگے فرمایا: ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ "وہ میزان کے اندر بڑے بھاری ہیں، ان کا اجر بہت زیادہ ہے"۔ اتنا زیادہ کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ "سبحان اللہ" پڑھنے سے آدھا میزان بھر جاتا ہے اور "الحمدللہ" پڑھنے سے بقیہ آدھا بھی بھر جاتا ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنے کی عادت ہونی چاہیے:

اب طلبا ذرا غور فرمائیں کہ آج کل ہماری گفتگو میں "سبحان اللہ"، "الحمدللہ" کے الفاظ بہت کم استعمال ہوتے ہیں۔ آپ ذرا غور کریں کہ آپ دن میں گفتگو میں کتنی بار "سبحان اللہ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں؟ عادت ہی نہیں ہے، الا ماشاءاللہ۔ یہ عادت ہونی چاہیے۔

سبحان اللہ! میرے بچے نے اتنے اچھے نمبر لیے۔

سبحان اللہ! میں نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لی۔

سبحان اللہ! آج بڑا اچھا کھانا بنا ہے۔

بھئی! گھر کے اندر جب نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو "سبحان اللہ" کا لفظ کہنے میں کیا رکاوٹ ہے؟

اسی طرح "الحمدللہ" کا لفظ بھی کثرت سے کہیں۔

الحمدللہ! میں اپنے وقت پر اٹھ گیا

الحمدللہ! میں اپنے وقت پہ دفتر پہنچ گیا۔

الحمدللہ! میرے بچے وقت پہ سکول چلے گئے۔

بھئی! اگر نہ پہنچتے تو پریشانی ہوتی۔اگر وقت پہ چلے گئے تو اللہ کا شکر بھی تو ادا کرنا چاہیے۔تو طلبا یہ بات پلے باندھ لیں کہ ہمیں اپنی روزانہ کی گفتگو میں ''سبحان اللہ'' ''الحمدللہ'' کے الفاظ کثرت سے استعمال کرنے چاہییں۔سوچیے کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہنے کا اجر آدھے پلڑے کو بھر دے گا اور الحمدللہ کہنے کا اجر بقیہ پلڑے کو بھر دے گا۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ

آگے فرمایا:

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ

اب ذرا ان الفاظ کا ترجمہ اور ان کی تشریح بھی سن لیجیے:

سُبْحَانَ اللّٰہِ

اسمِ تنزیہ:

''سُبْحَانَ اللّٰہِ'' کا لفظی ترجمہ ہے ہر قسم کے نقص سے، عیب سے، کمی کجی سے، اللہ رب العزت پاک ہیں۔حدیث مبارکہ میں آیا ہے صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

سَئَلْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ تَفْسِیْرِ ''سُبْحَانَ اللّٰہِ''

''میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ''سبحان اللہ'' کا ترجمہ، تفسیر پوچھی''

فَقَالَ: تَنْزِیْہُ اللّٰہِ مِنَ السُّوْءِ (مسند البزار:۱/۱۷۳)

''نبی ﷺ نے فرمایا کہ (اس کا معنی یہ ہے کہ) اللہ ہر برائی سے پاک ہے۔ کوئی کوتاہی ، کوئی کجی ، کوئی کسی قسم کی کمزوری اس کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی ، اس کی شان ان تمام چیزوں سے بلند ہے۔

ابن تیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''سبحان'' اسم علم ہے۔ بِمَنْزِلَةِ عُثْمَانَ وَ حُمْرَانَ اور اس کا معنی ہے:

اَلْبَرَاۤءَةِ وَ التَّنْزِيْهُ

''اللہ رب العزت پاک ہیں ان تمام نقائص سے۔''

اسمِ جلالہ ''اللہ'':

''سُبْحَان'' کے ساتھ آگے ''اَللّٰه'' کا لفظ استعمال ہوا۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ !

اب ذرا غور کیجیے گا! ''اَللّٰه'' کے لفظ کو کہتے ہیں ''اسم جلالہ''۔ یہ اللہ کا اسم ذات ہے۔ کائنات میں کبھی یہ نام کسی مخلوق کے لیے استعمال نہیں ہوا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا

''تم نے کبھی ایسا نام سنا ہے جو نام اللہ نے اپنے لیے پسند کیا؟''

اللہ کے نام میں کیا برکتیں ہیں! ذرا توجہ کیجیے گا۔

بے نقطہ نام:

ایک تو اس میں نقطہ کوئی نہیں۔ نقطہ کیوں نہیں لگایا؟ اس لیے کہ اگر نام کے اندر نقطہ ہوتا تو لوگ صفات میں بھی شرک کر لیتے، کسی کو ساتھ شریک کر دیتے۔ اللہ نے کہا میں ہر نقطے سے پاک ہوں یعنی شرک سے ہر طرح سے پاک ہوں۔ نہ میرے نام میں کسی ایسے دخل کی گنجائش، نہ میری ذات وصفات کے ساتھ کسی کی شرکت کی گنجائش

ہے۔

پھر ہمارے نام ہوتے ہیں کہ ہمارے نام میں سے اگر کوئی ایک حرف نکال دیں تو بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اللہ کا نام دیکھو! اللہ کے نام کے حرف ہٹاتے جاؤ تو جو باقی بچتا جائے گا وہ بھی اللہ ہی کی طرف اشارہ کرے گا۔ مثلاً لفظ ہے ''اَللّٰـہ'' الف ہٹادو، باقی کیا بچا؟ لِلّٰہ تو لِلّٰہ کا مطلب ہے ''اللہ کے لیے''

﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ﴾

''اللہ کے لیے ہے جو کچھ زمین و آسمانوں میں ہے۔''

ایک لام اور ہٹادیں تو باقی کیا بچا؟ لَہٗ تو لَہٗ میں بھی اللہ کی طرف اشارہ۔

﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ﴾

دوسرا لام بھی ہٹادیں تو باقی کیا بچا؟ ہٗ تو ہٗ میں بھی اشارہ اللہ کی طرف

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾

وہ کتنا شان والا پروردگار ہے کہ جس نے اپنا نام بھی وہ چنا کہ اس میں سے حرف نکالتے جاؤ تو جو باقی بچے گا وہ بھی اللہ ہی کے نام کی طرف اشارہ کرے گا۔!!

سب ناموں کی اضافت تو لفظ ''اللہ'' کی طرف ہو سکتی ہے، لیکن اس کی اضافت کسی طرف نہیں ہو سکتی۔ طلبا جانتے ہیں کہ اضافت نقص کی دلیل ہوتی ہے، لہٰذا یہ تو کہہ سکتے ہیں کتاب اللہ ، رسول اللہ ، بیت اللہ۔ مختلف چیزوں کی اضافت لفظ ''اللہ'' کی طرف لیکن لفظ اللہ کی اضافت کہیں نہیں کی جا سکتی۔

اسمِ اعظم کونسا ہے؟

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔

﴿وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾

علما کے اندر یہ بات چلی کہ ان میں سے ایک نام ہے جس کو ''اسمِ اعظم'' کہتے ہیں۔ ''اسمِ اعظم'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس نام سے دعا کی جائے تو وہ دعا قبول ہوتی ہے۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ جو ''اسمِ اعظم'' سے دعا مانگے قبول ہوگی۔ تو اس پر علما نے بہت تفصیل لکھی۔

کسی نے کہا: ''یا حَیُّ یا قَیُّوْمُ'' اسمِ اعظم ہے۔

کسی نے کہا کہ فلاں ''اسمِ اعظم'' ہے۔

لیکن امام ابوحنیفہ، عبداللہ بن مبارک، پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ان تمام حضرات نے کہا کہ اسمِ اعظم ''اَللّٰه'' ہے۔ اَللّٰه کا جو لفظ ہے وہ اسمِ اعظم ہے۔ تو اس نام سے جو دعا مانگی جائے وہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں۔

﴿تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ﴾

''برکت والا نام ہے تیرے رب کا''

اب کوئی پوچھے کہ تمہارے رب کا کیا نام ہے؟ تو ہم جواب دیں گے ''اَللّٰه'' تو معلوم ہوا کہ اللہ کے لفظ میں برکت ہے۔ سبحان اللہ!

نام کا اثر شخصیت پر:

یہاں ایک نکتہ اور سنیے! طلبا کے لیے علمی نکتہ ہے۔ عام طور پر نام کا اثر شخصیت میں آتا ہے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام کے پاس ایک صاحب آئے اور ان کا نام تھا ''حُزْنٌ''۔ نبی علیہ السلام نے جب سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام ''سهل'' رکھ دیا۔ فرمایا کہ اس نام کی وجہ سے تم غمزدہ ہی رہو گے، لہٰذا تم اپنا نام ''سہل'' رکھ لو، تمہارے لیے اللہ سہولت فرمادیں گے۔ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نام بدل دیا اور اچھا نام رکھا۔ تو معلوم ہوا کہ بے معنی نام بھی نہیں رکھنا چاہیے اور برے معنی والا نام بھی نہیں رکھنا چاہیے۔ اسی لیے نبی علیہ السلام

نے نام بدل دیا، کیونکہ نام کا اثر انسان کی شخصیت میں ہوتا ہے، مگر یہاں معاملہ اور ہے۔ یہاں معاملہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی ذات ایسی با برکت ذات ہے کہ اس کی ذات کی برکت کی وجہ سے وہ برکت اس کے نام میں بھی آگئی۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذات بھی برکت والی

﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ﴾

''برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہے ملک''

تو ذات بھی برکت والی اور نام بھی برکت والا ہے، لہٰذا اس نام سے ہمیں دعا مانگنی چاہیے۔

''اللہ'' کے اسم اعظم ہونے کی دلیل:

اب یہ ''اسم اعظم'' کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ کہ

⊙ اللہ تعالیٰ نے تسمیہ میں اسی نام کو استعمال کیا۔ تسمیہ کہتے ہیں ''بسم اللہ'' کو۔ تو بسم اللہ میں کون سا نام استعمال ہوا ہے؟ ''اللہ کا

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾

سب سے پہلے اللہ کا نام استعمال ہوا۔

⊙ پھر اور دیکھیے کہ تعوذ میں بھی یہی نام

﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾

⊙ اور دلیل سنیے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے اور اس درخت کو دیکھا جس میں سے آگ نکل رہی تھی تو اس میں سے کیا آواز آئی تھی؟

﴿اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰهُ﴾

اَنَا الرَّحْمٰنُ ، اَنَا الرَّحِیْمُ نہیں کہا، کیا فرمایا؟ ﴿اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰهُ﴾۔ تو معلوم

ہوا ''اللہ'' ہی کا لفظ ہے جو اسم اعظم ہے۔

◉ شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

اِنَّ اللّٰہَ لَمَّا نَفَخَ فِیْ اٰدَمَ رُوْحًا قَالَ اَوَّلًا : ''اَللّٰہُ''

''جب اللہ تعالیٰ نے آدم کے جسم کے اندر پہلی مرتبہ روح ڈالی (آدم علیہ السلام روح ڈالنے کے بعد زندہ ہوئے) تو انہوں نے سب سے پہلے ''اللہ'' کا لفظ کہا۔''

تو کائنات میں سب سے پہلے مخلوق نے ''اللہ'' کا لفظ بولا۔ اسی لیے ماں باپ کو بچے کو یہ لفظ سکھانا چاہیے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو بچہ بولنے لگے اور ''اللہ'' کا لفظ سب سے پہلے کہے، اس عمل پر اللہ اس کے ماں اور باپ کے پچھلے سب گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ اب یہ کتنا اعلیٰ عمل ہے! تو کیا ضرورت ہے ممی ڈیڈی شروع میں سکھانے کی؟ ساری عمر پڑی ہے یہ سکھانے کی:

Twinkle twinkle little star,

How I wonder what you are.

تو بھائی شروع میں تو اللہ کا نام اس کی زبان پہ لاؤ۔

◉ ایک بات اور دیکھیں! بچہ جب دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کے کان میں ''اللہ اکبر'' کہا جاتا ہے۔ جب بچے کے کان میں اذان کہتے ہیں تو کون سا لفظ سب سے پہلے گیا؟ ''اَللّٰہ''۔

پھر جب بندہ دنیا سے جانے لگتا ہے تو اس کو کلمہ یاد دلاتے ہیں، تو آخری لفظ اس کے کان میں کون سا جاتا ہے؟ اَللّٰہ۔ تو جب زندگی کا پہلا نام بھی ''اَللّٰہ'' کا کان میں پڑ رہا ہے اور آخری لفظ بھی ''اَللّٰـــہ'' کان میں پڑ رہا ہے تو باقی پوری زندگی بھی

تو ''اللہ اللہ'' ہونی چاہیے۔

◉ اس نام کی ذرا برکت دیکھیے!، حدیث مبارکہ سنیے:

اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ یَقُوْلُ لِاِسْرَافِیْلَ: اِذَا سَمِعْتَ قَائِلًا یَقُوْلُ: ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ''، فَاَخِّرِ النَّفْخَۃَ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً اِکْرَامًا لِقَائِلِھَا

(التذکرۃ للقرطبی: ۱/۴۹۷)

کیا خوبصورت بات ہے! اللہ تعالیٰ نے اسرافیل کو حکم دیا ہے کہ میرے فرشتے! جب تو کسی بندے کی زبان سے ''اَللّٰہ'' کا لفظ سنے تو قیامت قائم کرنے کے لیے جو تو نے صور پھونکنا ہے اس صور کو چالیس سال مؤخر کر دینا۔ ایک دفعہ ''اَللّٰہ'' کہنے پر قیامت کو چالیس سال کے لیے Delay (ملتوی) کر دیا جاتا ہے۔ اللہ کے نام میں کتنی برکت ہے! یہاں علما نے نکتہ لکھا کہ اگر ''اللہ'' کا لفظ قیامت کی مصیبت کو چالیس سال ہٹا سکتا ہے تو دنیا کی مصیبتوں کو نہیں ہٹا سکتا؟ مگر ہم تو اللہ کا نام محبت سے لیتے نہیں، غفلت سے لیتے ہیں۔ اس لیے فرمایا:

لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یُقَالَ فِی الْاَرْضِ: ''اَللّٰہ اَللّٰہ''

(مسند البزار: ۲/۳۲۷)

''قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک زمین پر ''اللہ اللہ'' کہا جاتا رہے گا۔''

اللہ کا نام ''تعلق'' کے لیے ہے:

اللہ رب العزت کے جتنے نام ہیں وہ سب نام خاص صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے:

...... ''رحمٰن'' رحمت کی صفت

......''رحیم'' رحمت کی صفت

......''قادر'' قدرت کی صفت

......''ستار'' ستاری کی صفت

تو ہر ہر نام ایک ایک صفت پر دلالت کرتا ہے، جبکہ ''اللہ'' کا لفظ تمام صفات پر دلالت کرتا ہے۔ ''اَللّٰــــہ'' کا لفظ سب صفات کو شامل ہے، اس لیے یہ ''اسمِ اعظم'' کہلاتا ہے۔

اور طلبا کے لیے ایک نکتہ کہ اللہ کے باقی جتنے اسما ہیں وہ سب تخلق کے لیے ہیں کہ تم بھی اپنا خلق ویسا بناؤ۔

مثلاً اللہ ''ستار'' ہے تم اپنے اندر ستاری پیدا کرو۔

اللہ ''العفو'' ہے تم اپنے اندر معافی کرنے کی صفت پیدا کرو

اللہ ''حلیم'' ہے تم بھی اپنے اندر حلم پیدا کرو۔

تو اللہ کے تمام اسما انسان کے تخلق کے لیے ہیں۔ جبکہ اسم ذات ''اللہ'' انسان کے اللہ تعالیٰ سے تعلق کے لیے ہے کہ تم میرا نام 'اللہ اللہ' لو گے تو تمہیں مجھ سے محبت ہوگی۔ تو اس لیے ہم اپنی زندگی میں دل ہی دل میں ہر وقت اللہ......اللہ......اللہ، اسی کا تکرار کرتے رہیں۔

ایک صاحب مجھے ملے، کہنے لگے: پیر صاحب! آپ کو ''اللہ اللہ'' کرنے کے سوا کوئی کام نہیں؟ میں نے کہا: قیامت کے دن یہی گواہی دے دینا، یہی کہہ دینا کہ اس کو ''اللہ اللہ'' کرنے کے سوا کوئی کام نہیں تھا۔ لوگ اس کو چھوٹا کام سمجھتے ہیں، اس کی برکتوں کو نہیں جانتے۔ ہمارے اکابر اس ''اللہ اللہ'' کے نام کا کثرت سے ذکر کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کے دلوں کو اللہ رب العزت کے ساتھ ایک خاص تعلق نصیب ہو جاتا تھا۔

وَ بِحَمْدِہٖ

تو فرمایا: سُبْحَانَ اللّٰہِ ''پاک ہے اللہ'' وَ بِحَمْدِہٖ ''اور سب تعریفیں بھی اللہ ہی کے لیے ہیں''۔ اللہ تعالیٰ کو بھی تعریف بہت پسند ہے۔ عظمت والی ذات ہے نا، اس کو تعریفیں سجتی ہیں، یہ شان اسی کو سجتی ہے۔ اور بندوں کو بھی تعریفیں بڑی اچھی لگتی ہیں۔ جس کو دیکھو تعریف کرو پھولے گا، کپا بنے گا۔

بلکہ انگریزی کی کتاب میں ایک عجیب بات لکھی ہوئی تھی۔ انگریزوں کا ایک بڑا جرنیل گزرا ہے اس کو ''جولیس زر'' کہتے تھے۔ وہ بالکل کسی کو تعریف نہیں کرنے دیتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھے تعریف پسند نہیں ہے۔ تو ایک دن اس کے پاس ایک بندہ گیا، کہنے لگا: جی! آپ کو تو تعریف بالکل پسند نہیں ہے، تو وہ مسکرا پڑا۔ اس کا مطلب ہے تعریف اس کو بھی پسند تھی۔ تو تعریف تو انسان کی فطرت ہے۔ اور اللہ کو تو اور زیادہ پسند ہے۔

اللہ اپنی تعریف آپ بیان کرتے ہیں:

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے:

﴿مَا اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَیْہِ الْمَدْحُ مِنَ اللّٰہِ وَ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ مَدَحَ نَفْسَہٗ﴾ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰/۴۱۰، رقم: ۱۹۵۲۵)

''اللہ کو اپنی تعریفیں سب سے زیادہ پسند ہیں، اسی لیے اللہ نے اپنی تعریفیں آپ بیان کی ہیں''

مخلوق، اللہ کی ایسی تعریف نہیں کر سکتی جیسے کرنی چاہیے۔ اللہ کو حمد پسند ہے اس لیے

......سورۂ فاتحہ کی ابتدا ''اَلْحَمْدُ'' سے ہوئی۔

......قرآن کی ابتدا ''الحمد'' سے۔
......پھر جو ہم خطبہ دیتے ہیں خطبہ کی ابتدا '' اَلْحَمْدُلِلّٰہِ'' سے۔
......قیامت کے دن اس امت کا نام ''حمادون'' ہوگا، یعنی اللہ کی حمد کرنے والی۔
......اور نبی علیہ السلام کا نام آخرت میں ''احمد'' ہوگا، یعنی وہ ذات جس نے اللہ کی اتنی حمد بیان کی کہ کائنات میں کسی اور نے اللہ کی اتنی حمد بیان نہیں کی۔
......اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس قیامت کے دن جھنڈا ہوگا اس کا نام ہوگا ''لِوَاءُ الْحَمْد''
......اور نبی علیہ السلام کا جنت میں جو گھر ہوگا اس کا نام ہوگا ''بَیْتُ الْحَمْد''۔ جیسے بلڈنگ کا نام ہوتا ہے۔ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ جنت میں محل دیں گے، اس محل کا نام ''بَیْتُ الْحَمْد'' ہوگا۔
......اور جنتی بھی جنت میں کیا کریں گے؟ اللہ کی حمد بیان کریں گے۔ قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَاٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (یونس:۱۰)

جس کا کھایئے اس کے گیت گایئے، جنت میں اللہ کی نعمتیں کھائیں گے، اللہ کے گیت گائیں گے۔
......اب ذرا سوچیے کہ ملائکہ کی تسبیح کیا ہے؟ وہ بھی اللہ کی حمد ہے۔ فرمایا:

﴿وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (زمر:۷۵)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا اللہ کی حمد بیان کرنا:

ہمارے بزرگوں نے اللہ کی حمد کیسے بیان کی؟ امید ہے مدارس کے طلبا اس کو سمجھیں گے، اگر عام دوست نہ سمجھ سکیں تو کوئی بات نہیں، کسی سے بعد میں معلوم کر

لیں۔امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ''مکتوبات'' میں ایک جگہ پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں، توجہ کے ساتھ ذرا عبارت سنیے گا، فرماتے ہیں:

''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے امکان کو وجوب کا آئینہ، عدم کو وجود کا مظہر بنایا، وجوب اور وجود اگرچہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی صفات میں سے ہیں، لیکن حق سبحانہ وتعالیٰ ان سے بلند ہے، بلکہ وہ اسماء وصفات سے، شیون و اعتبارات سے، ظہور اور بطون سے، بروز اور مقون سے، تجلیات وظہورات سے، موصول اور مقصول سے، مشاہدات اور مکاشفات سے، محسوسات اور معقولات سے، موہومات اور متخیلات سے بھی بلند ہے وَ هُوَ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰی وَرَاءُ الْوَرَاءِ ثُمَّ وَرَاءُ الْوَرَاءِ ثُمَّ وَرَاءُ الْوَرَاءِ کسی حمد بیان کرنے والے کی حمد اس کی ذات کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتی، بلکہ تمام تعریفوں کی انتہا اس کی عظمت کے پردوں سے نیچے رہ جاتی ہے۔ اس ذات پاک نے اپنی تعریف آپ کی ہے اور اپنی حمد کو آپ ہی بیان کیا ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ آپ ہی حامد ہے اور آپ ہی محمود ہے۔'' اللہ اکبر کبیرا!

واقعی! بندے کو چاہیے کہ اپنے رب کی ایسی ہی دل کھول کر تعریف کرے۔ وہ ایسی شان والا پروردگار ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ

''اللہ پاک ہے اور بڑی عظمت والا ہے۔''

اب یہاں پر ایک نیا لفظ آ گیا، ''الْعَظِیْمِ'' اس کا معنی ہے: ''عظمت والا''۔ تو واقعی! اللہ رب العزت عظمت اور شان والے ہیں۔

عظمتِ شان کے متعلق قرآنی آیات:

اللہ رب العزت کی عظمت کے بارے میں چند آیات صرف سن لیجیے! طلبا چونکہ معنی کو سمجھتے ہیں۔ یہ آیات اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرتی ہیں۔ فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَن تَزُولَا وَلَئِن زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهِ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا﴾ (فاطر:)

ایک جگہ فرمایا:

﴿ وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾

(الجاثیہ:۳۷)

ایک جگہ فرمایا:

﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا﴾

(مریم:۹۰)

ایک جگہ فرمایا:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعاً قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴾

(زمر:۶۷)

اللہ اکبر کبیرا!!! ان الفاظ کو پڑھتے ہیں تو عظمتِ شان کی وجہ سے انسان کا دل کانپتا ہے۔ وہ کتنی عظمتوں والا پروردگار ہے!

کلمات کو پڑھنے کا ثواب:

اب ذرا ان کلمات کا ثواب بھی سن لیجیے! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی بندہ رات تہجد میں نہ گزار سکے اور اللہ کے راستے میں خرچ بھی نہ کر سکے

اور اللہ کی راہ میں جہاد بھی نہ کر سکے پھر اس کو چاہیے کہ

فَاَكْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ'' فَاِنَّهُنَّ خَيْرٌ مِّنْ جَبَلِ ذَهَبٍ وَّ فِضَّةٍ اَنْ تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الفوائد لتمام الرازی:۱/۳۶)

''سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم' زیادہ کہے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم سونے اور چاندی کا پہاڑ اللہ کے راستے میں خرچ کرو''

''سبحان اللہ'' پڑھنے سے عذاب میں تخفیف:

اس ''سبحان اللہ'' کے پڑھنے میں انسان کے اوپر تکالیف ختم ہو جاتی ہیں، پریشانیاں ختم ہوجاتی ہیں۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مجرم آیا۔ کعب رضی اللہ عنہ بھی عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو کوڑے لگوائے، کیونکہ اس نے کوئی جرم کیا تھا۔

وَ قَالَ الرَّجُلُ حِيْنَ وَقَعَ عَلَيْهِ السَّوْطُ: ''سُبْحَانَ اللّٰه''

''جب اس کو پہلا کوڑا لگا تو اس بندے نے کہا: ''سبحان اللہ''''

عمر رضی اللہ عنہ نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دو۔ کعب رضی اللہ عنہ ہنسنے لگ گئے۔ پوچھا: حضرت! ہنس کیوں رہے ہیں؟ فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ ''اِنَّ سُبْحَانَ اللّٰهِ'' خَفَّفَ مِنَ الْعَذَابِ

(نقل فی کنز العمال:۲/۲۵۳، رقم:۳۹۵۱ بالفاظ اخری)

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، ''سبحان اللہ'' نے اس کے عذاب کو ہلکا کر دیا''

''سبحان اللہ'' کے کہنے سے دنیا کے عذاب اگر کم ہو جاتے ہیں تو آخرت کا عذاب تو بالکل ہی معاف ہو جائے گا۔سبحان اللہ!

جوامع الکلم:

اس حدیث مبارکہ کو محدثین نے ''جوامع الکلم'' میں شامل فرمایا ہے۔''جوامع الکلم'' اُس عبارت کو کہتے ہیں کہ جو تھوڑی ہو،مگر معانی بہت زیادہ ہوں۔جس کو کہتے ہیں ''دریا میں کوزے کو بند کر دینا''۔آپ یوں سمجھیں کہ نبی علیہ السلام نے سمند کو کوزے میں بند کر دیا۔اس لیے ''جوامع الکلم'' میں اس حدیث مبارکہ کو بھی شامل کیا۔یہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب کو شان دی کہ ایسا کلام ان سے صادر ہوا جو ''جوامع الکلم'' میں سے ہے۔

توفیقِ بیان از رب رحمان:

یہ بیان کرنے کی توفیق کون عطا کرتا ہے؟ الرحمٰن۔اب یہ بھی مناسبت دیکھ لیجیے کہ اگر یہ کلمے ﴿حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمَانِ﴾ ہیں تو یہ بیان کرنے کی توفیق کس نے دی؟

﴿اَلرَّحْمٰنُ o عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ o خَلَقَ الْاِنسَانَ o عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾

''یہ کلمات رحمٰن کو پسند ہیں اور رحمٰن ہی ان کی توفیق بھی دینے والا ہے۔''

اس حدیث میں کئی اور بھی اسرار و رموز ہیں۔اب تھوڑی دیر ذرا طلبا کے لیے علمی بات ہوگی،تاکہ یہ اس حدیث پاک کے اوپر اور زیادہ معارف حاصل کر لیں۔علمِ بیان،علمِ معانی،علمِ بلاغت،اگر ان تمام کے اعتبار سے اس حدیث پاک کو دیکھا

جائے تو عجیب معانی اس میں سے کھلتے ہیں۔ علما نے ان کلمات میں عجیب وغریب صفات کو بیان کیا ہے۔

◉ صفتِ مطابقہ

وَ مِنْهُ الْمُطَابَقَةُ

چنانچہ اس میں ایک صفت ہے جسے ''مطابقہ'' کہتے ہیں۔

وَ هِيَ مُطَابَقَةُ الشَّيْءِ لِضِدِّهٖ عَلَى الْقَوْلِ الْمُخْتَارِ

اولاً موافق معنوں کو لاتے ہیں جیسے:

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا

تو موافق اور مخالف دونوں قسم کا بیان اس طرح کرتے ہیں۔ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث مبارکہ میں پہلے فرمایا خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ پھر فرمایا ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ یہاں خَفِيْف اور ثَقِيْل ایک دوسرے کے مخالف ہوئے، لہٰذا اس میں مطابقہ کی صفت آ گئی۔

◉ صفتِ مناسبہ

وَ مِنْهُ الْمُنَاسَبَةُ

''اس میں مناسبت کی صفت بھی ہے۔''

لِاَنَّ بَيْنَ الْمِيْزَانِ وَ اللِّسَانِ مُنَاسَبَةٌ

قیامت کے دن میزان ہوگی تو میزان کی لسان بھی ہوگی، اور یہ جو فقرہ پڑھا جاتا ہے خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ تو لسان یہاں بھی اور لسان میزان میں بھی، لہٰذا اس میں مناسبت بھی آ گئی۔

صفتِ تشابہ الاطراف:

وَ مِنْهُ تَشَابُهُ الْاَطْرَافِ

اور اس میں ''تشابہ الاطراف'' کی صفت بھی ہے۔ وہ یہ کہ

وَ هُوَ اَنْ يُّخْتَمَ الْكَلَامُ بِمَا يُنَاسِبُ اِبْتِدَائَهُ

''جیسے کلام کے معنی ہوں، اس کا اختتام بھی اتنے ہی زوردار لفظ کے اوپر ہونا چاہیے۔'' چنانچہ اس حدیثِ مبارکہ کو ''سبحان'' سے شروع کیا گیا، اور ختم کیا گیا ''عظمتِ الٰہی'' پر، واقعی! جو پاک ہوتا ہے عظمت بھی اسی کو سجا کرتی ہے۔ تو اس میں تشابہ الاطراف کی صفت بھی آ گئی۔

صفتِ تکرار:

وَ مِنْهُ التَّكْرَارُ

اور اس میں تکرار بھی ہے۔ اس لیے کہ کئی مرتبہ تکرار سے بھی انسان کو مزا آتا ہے۔ اس لیے کلام میں وہ کسی لفظ کو بار بار لاتا ہے۔ جیسے سورہ الرحمٰن کو پڑھیں تو اس میں ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ بار بار پڑھنے سے کیسا مزا آتا ہے! کیسا لطف آتا ہے! تو تکرار بھی ایک صفت ہے۔ کئی مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی کلام میں تکرار فرمایا۔ ان کلمات میں بھی تکرار ہے، فرمایا:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

''بِحَمْدِهٖ'' کے ساتھ ''عظیم'' کا لفظ وہیں نہیں ملا دیا۔ دوبارہ پھر فرمایا ''سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ'' اس لیے کہ

التَّكْرَارُ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ لِاسْتِلْذَاذِ النَّاطِقِ

''اس حدیث میں (سبحان اللہ کے) تکرار سے پڑھنے والے کو مزا آتا ہے۔''

اس کی مثال ایسے ہے جیسے شاعر نے شعر کہا:

اَلَا حَبَّذَا هِنْدٌ وَّ اَرْضٌ بِهَا هِنْدٌ

اس کی محبوبہ کا نام ''ہند'' تھا تو اس نے ایک شعر میں تین دفعہ اس کا نام لیا۔ تو بار بار نام لینے سے بھی مزا آتا ہے۔ ؎

ہم رٹیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

تو بھئی! نام لینے کا بھی مزا آتا ہے۔ اسی طرح نبی علیہ السلام نے ''سبحان اللہ'' کا لفظ دو مرتبہ Repeat کیا (دہرایا)، تا کہ پڑھنے والے کو دو مرتبہ سے کند مکرّر کا مزا آئے۔

◉ صفت انسجام:

وَ مِنْهُ الْاِنْسِجَامُ

اس میں ''انسجام'' کی صفت بھی ہے۔

انسجام کہتے ہیں ہم آہنگی اور یکسانیت کو۔ اگر نبی علیہ السلام فرما دیتے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَ بِحَمْدِهٖ

تو مطلب تو پھر بھی ادا ہو جاتا کہ اللہ کی پاکی بھی بیان ہو جاتی، حمد بھی ہو جاتی، عظمت بھی ہو جاتی، مگر یوں نہیں کہا، بلکہ ان کو الگ الگ کر کے کہا:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

اب ان میں تناسب پایا جاتا ہے۔ ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ'' میں تین لفظ اور ''سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ'' میں بھی تین لفظ تو کلام کے اندر مناسبت و ہم آہنگی بھی آ گئی۔

⊙ صفتِ ایجاز:

وَ مِنْهُ الْاِیْجَازُ

اوراس میں ایجاز کی صفت بھی ہے۔

ایجاز کہتے ہیں کہ مقصود کو اس طرح ادا کرنا کہ عبارت کم ہو، مگر غرض پوری ہو جاتی ہو۔ اسے سمجھنا آسان، یاد کرنا آسان، خود بخود وہ عبارت ذہن میں بیٹھ جائے۔ اب دیکھیں! کسی جاہل بندے کے سامنے بھی ایک دفعہ پڑھیں، اسے زبانی یاد ہو جائے گی تو اس کے اندر ایجاز بھی ہے۔

صفتِ اطناب:

وَ مِنْهُ الْاِطْنَابُ

اوراس کلام میں اطناب کی صفت بھی ہے۔ اطناب کہتے ہیں کہ مراد کو خوب واضح کرنا۔ حکم کو مؤکد کرنا، تاکہ شک ختم ہو جائے تو دیکھو یہ کلام کیسا ہے کہ (سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ) اس کو اتنا وضاحت کے ساتھ کہا کہ اب اس کا مطلب سننے والے کے اوپر بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

⊙ صفتِ حذف:

وَ مِنْهُ الْحَذْفُ

اوراس میں حذف کی صفت بھی ہے وہ کیسے کہ اگر پڑھیں کَلِمَتَانِ دو کلمے ہیں تو لگتا ہے کہ کچھ پہلے کہنا چاہیے تھا۔ کیا کہنا چاہیے تھا؟

اِسْمَعُوْا اَیُّهَا النَّاسُ! (اے لوگو سنو!)

مگر نبی علیہ السلام نے اس کو حذف فرما دیا۔ تو اس میں حذف کی صفت بھی موجود ہے۔

حسن الاخذ:

وَ مِنهُ حُسنُ الاَخذِ وَ یُسَمّٰی الاِتِّبَاعُ

اس میں حسن الاخذ بھی ہے۔ چنانچہ اس کی اتباع بھی ہوئی کہ نبی علیہ السلام نے یہ جو فرمایا: ''سُبحَانَ اللّٰہِ'' یہ اللہ کا بھی حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَسُبحَانَ اللّٰہِ﴾ یہ قرآن مجید کی آیت ہے۔ یہی الفاظ تو خود اللہ تعالیٰ نے فرمائے اور یہی الفاظ نبی علیہ السلام فرما رہے ہیں تو اس میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مالک الملک کی اتباع بھی کی۔

◉ التزام:

وَ مِنهُ اِلتِزَامُ مَا لَا یَلزَمُ

''اور اس میں التزام بھی ہے''

کیسے؟

وَ بِھٰذَا یَصِیرُ لِلقَوَافِی طَلَاوَۃً وَ لِلاَسجَاعِ حَلَاوَۃً

اس میں حسن بھی ہے اور اس میں سجع بندی بھی بڑھ جاتی ہے۔

◉ توزیع:

وَ مِنهُ التَّوزِیعُ

''اور اس میں توزیع بھی ہے۔''

توزیع کہتے ہیں تقسیم کو کہ کوئی چیز تقسیم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام عجیب ہے۔ ذرا غور کیجیے کہ اس کہ جتنے بھی راوی ہیں ان تمام کے نام میں میم کا حرف مشترک ہے۔ احمد بن اشکاب، محمد بن فضیل، عمارہ بن قعقاع، ہر ایک نام میں میم آتی ہے۔ ابو زرعۃ کا اصل نام عبد الرحمٰن تھا، اس میں بھی میم آ گئی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اصل نام تھا عبد الرحمٰن، اس میں بھی میم آ گئی۔ تو تمام راویوں کے نام میں یہ مشترک ہے۔

اور دوسری بات کہ اگر آپ کلام کو سنیں تو اس کے تمام الفاظ میں ''الف'' کا حرف مشترک ہے۔

كَلِمَتَانِ...... حَبِيْبَتَانِ...... اِلَى الرَّحْمَانِ...... خَفِيْفَتَانِ...... عَلَى اللِّسَانِ...... ثَقِيْلَتَانِ...... فِى الْمِيْزَانِ

ان سب میں ''الف'' کا لفظ مشترک ہے۔

⊙ جودَةُ التَّعْبِيْر:

وَ مِنْهُ جَوْدَةُ التَّعْبِيْرِ

''اور اس میں جودۂ تعبیر بھی ہے۔''

چنانچہ یہ دو کلمیں ہیں، مگر انہوں نے پورے کے پورے مضمون کو اچھی طرح اپنے اندر سمولیا ہے۔

⊙ صفتِ تتمیم:

وَ مِنْهُ التَّتْمِيْم:

''اور اس میں تتمیم بھی ہے۔''

تتمیم کہتے ہیں:

وَهُوَ اَنْ لَّا يَتْرُكَ الْمُتَكَلِّمُ شَيْئًا يَتِمُّ الْاِحْسَانُ مَعَهٗ فِىْ كَلَامِهٖ اِلَّا اَتٰى بِهٖ

''کہ جس چیز سے کلام میں حسن پیدا ہوتا ہے، متکلم اس کو اپنے کلام میں بیان کرے''

تو نبی علیہ السلام نے اس میں اتمام فرما دیا کہ ایک میں فرمایا: ''سبحان اللہ'' مگر صرف اتنا ہی نہیں فرمایا۔ ''سبحان اللہ'' کہنے سے اللہ کی پاکی تو بیان ہوتی، تعریفیں نہ ہوتیں۔ تو

آ گے کیا فرمایا؟ ''سبحان اللہ'' یعنی یہی نہیں کہ وہ تمام برائیوں سے پاک ہے، نہیں! پاک بھی ہے اور اس سے بڑھ کر وہ صفات والا بھی ہے۔ تمام تعریفیں بھی اسی کو سجتی ہیں۔

⊙ صفتِ مبالغہ:

وَ مِنْهُ الْمُبَالَغَةُ

اور اس میں مبالغہ کی صفت بھی ہے۔ مبالغہ کہتے ہیں کسی چیز کو اہتمام کے ساتھ بیان کرنا۔ تو عظیم کا جو لفظ ہے وہ اللہ پاک کی عظمت کو اچھی طرح بیان کر دیتا ہے۔

⊙ جمع المؤتلف و المختلف:

وَ مِنْهُ جَمْعُ الْمُؤتَلَفِ وَ الْمُخْتَلَفِ

''اس میں مختلف اشیاء کو اکٹھا بھی کر دیا۔''

كَلِمَتَانِ...... حَبِيْبَتَانِ...... اِلَى الرَّحْمَانِ...... خَفِيْفَتَانِ...... عَلَى اللِّسَانِ...... ثَقِيْلَتَانِ...... فِي الْمِيْزَانِ یہ مختلف الفاظ ہیں، لیکن آخر پر کیا فرمایا؟

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کر کے ان تمام اوصاف کو ایک جگہ اکٹھا فرما دیا۔

⊙ صفتِ ایغال:

وَ مِنْهُ الْاِيْغَالُ

ایغال کہتے ہیں کہ کلام کو ایسے لفظ پر ختم کرنا جو نکتے کا فائدہ دیتا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ نے کلام کو ''العظیم'' پر ختم کیا، تو یہ نکتے کا فائدہ دیتا ہے۔ کہ واقعی جو کچھ بیان کیا گیا وہ سب اللہ تعالیٰ کی عظمت کو بیان کرنے کے لیے فرمایا۔ تو مقصود اس کلام سے کیا ہوا؟ عظمت خداوندی۔

⊙ وحی اور اشارہ:

وَ مِنْهُ الْوَحْيُ وَ الْإِشَارَةُ

وحی اور اشارہ کہتے ہیں کہ زیادہ تفصیل والی چیز کو اشارے کے ساتھ بیان کر دینا۔

هِيَ اشْتِمَالُ اللَّفْظِ الْقَلِيْلِ عَلَى الْمَعَانِي الْكَثِيْرَةِ

واقعی! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تھوڑے سے الفاظ کہے، لیکن ان الفاظ کے معانی دیکھو اپنے اندر کتنی وسعت رکھتے ہیں۔

⊙ صفتِ مماثلة:

وَ مِنْهُ الْمُمَاثَلَةُ

اور اس میں مماثلت کی صفت بھی ہے۔ مماثلت کہتے ہیں کہ ایک جنس کا ہونا۔ تو دیکھو! كَلِمَتَانِ...... حَبِيْبَتَانِ ...... خَفِيْفَتَان ...... ثَقِيْلَتَانِ سب کے سب ایک جیسے الفاظ ہیں۔

⊙ صفتِ تطریز:

وَ مِنْهُ التَّطْرِيْزُ

تطریز کہتے ہیں: جیسے کپڑے کے اوپر مختلف نقش و نگار کے ڈیزائن بنے ہوتے ہیں، پھول پتیاں بنی ہوتی ہیں، لوگوں نے کڑھائی کروائی ہوئی ہوتی ہے۔ اس سے قمیص کو ایک خوبصورتی مل جاتی ہے۔ اس کو عربی میں ''طرز'' کہتے ہیں۔ اسی سے تطریز کا لفظ نکلا ہے کہ فلاں طرز کی چیز ہے۔ حَبِيْبَتَانِ...... خَفِيْفَتَان...... ثَقِيْلَتَانِ یہ الفاظ ایسے لگتے ہیں جیسے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کلام کے اندر پھولوں کو جڑ دیا ہو۔

◉ صفتِ سجع:

وَ مِنْهُ السَّجَعُ

''اوراس میں سجع بھی ہے''

یعنی ہم وزن الفاظ بھی ہیں، جس سے کلام میں خوبصورتی آ گئی ہے۔

◉ صفتِ ترتیب:

وَ مِنْهُ التَّرْتِيْبُ

اوراس میں ترتیب کی صفت بھی ہے۔ترتیب کی صفت کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ بات ایسے کی جائے کہ بات ختم ہونے تک سامع اس بات پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوجائے۔تو واقعی! نبی علیہ السلام نے اس ترتیب سے بات کہی کہ كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ (دو کلمے اللہ کو بڑے پسند) تو ایسی ترغیب دلائی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ)) تو اب سننے والے کا دل چاہتا ہے کہ میں بھی اس کو پڑھ لوں۔

◉ صفتِ حسن اختتام:

وَ مِنْهُ حُسْنُ الْإِخْتِتَام

یہ بھی ایک صفت ہوتی ہے کہ کلام ایسا ہو کہ اس کا اختتام بہت اعلیٰ ہو۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حدیث مبارکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سب سے آخر پر لائے ہیں۔اب علمائے کرام میں اس پر مستقل گفتگو ہوتی ہے کہ (اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ) شروع میں کیوں لائے؟ اور یہ ''حدیثِ تسبیح'' آخر میں کیوں لائے؟۔پچھلے سال کا درس اسی عنوان پہ تھا اور اسی پہ پوری تفصیل دی تھی، تو امید ہے کہ طلبا اس کی طرف رجوع

کریں گے اور اس نکتے کو سمجھیں گے۔

حدیثِ تسبیح کو آخر پر لانے کی وجوہات

تاہم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کو جو آخر پہ لائے ہیں تو اس کی کوئی چھ سات وجوہات بتائی جاتی ہیں۔ مراد تو اللہ بہتر جانتا ہے کہ اصل ان کی نیت کیا تھی؟ مگر کچھ احتمال ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کو آخر پر کیوں لائے؟ سن لیجیے پھر بات مکمل ہو جاتی ہے۔

پہلا احتمال:

"یَحْتَمِلُ اَنْ یَکُوْنَ اِمْتِثَالًا لِقَوْلِهٖ عَزَّ وَجَلَّ: "وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِیْنَ تَقُوْمُ"

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! جب آپ کھڑے ہوں تو اللہ کی تسبیح بیان کریں۔ تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جب آخری حدیث لکھنی تھی تو کام تو مکمل ہو چکا تھا۔ تو وہ سمجھتے تھے کہ اب تو میں کام ختم کر کے کھڑا ہونے والا ہوں، انہوں نے اس آیت کے اوپر عمل کی نیت سے آخر میں حدیثِ تسبیح بیان کی اور اپنے کام کو کر کے کھڑے ہو گئے۔

دوسرا احتمال:

دوسرا احتمال یہ ہے کہ

اَنَّهٗ یَقْتَدِیْ بِالنَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْمَا فَعَلَهٗ فِیْ آخِرِ عُمُرِهٖ مِنَ التَّسْبِیْحِ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے عمر کے آخری حصے میں تسبیح کا حکم فرمایا تھا: فرمایا:

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ﴾ (النصر:۳)

چونکہ نبی علیہ السلام کو حکم ملا کہ اپنی نبوت کے کام کی جو تکمیل کا وقت ہے اس پر اللہ کی خوب تسبیح بیان کیجیے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حدیثِ مبارکہ کے کام کی تکمیل کے وقت پر وہی تسبیح بیان فرما دی۔

تیسرا احتمال:

اَنَّ الْبُخَارِیَّ لَمَّا جَمَعَ الْاَدِلَّةَ الشَّرْعِیَّةَ وَ تَمَّ لَهُ النَّصْرُ عَلٰی اَهْلِ الْبِدْعِ وَ الضَّلَالِ فَسَبَّحَ بِحَمْدِ رَبِّهٖ كَمَا سَبَّحَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَمَّا جَآءَهٗ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ

جب نبی علیہ السلام پر اللہ کی مدد آ گئی اور فتح نصیب ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد بیان کی تھی، اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر جب اللہ کی مدد آ گئی تو انہوں نے بخاری شریف لکھ کر سب اہل بدعات اور معتزلہ اور ان گمراہ فرقوں کا رد کر دیا، اس پر انہوں نے آخر میں نبی علیہ السلام کی اتباع میں اللہ کی حمد بیان کی۔

چوتھا احتمال:

"اَوْ اَنَّهٗ لَمَّا جَمَعَ تَرَاجِمَ كِتَابِهٖ بَیْنَ قَبْرِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَ كَانَ یُصَلِّیْ لِكُلِّ تَرْجَمَةٍ رَكْعَتَیْنِ خَوْفًا مِنَ الزَّلَلِ وَ لَیْسَ هُوَ مَعْصُوْمٌ فَلَمَّا فَرَغَ سَبَّحَ لِلّٰهِ عَلٰی قَوْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: وَ اَتْبِعِ السَّیِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا"

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کوئی گناہ ہو جائے تو اگر تم نیکی کرو گے تو وہ گناہ دھل جائے گا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب لکھی اور فرمایا کہ میں انسان ہوں، انسانی بشریت کے اعتبار سے اس میں کوئی کوتاہی ہو گئی ہو گی، اگر مجھ سے کوئی کوتاہی ہو گئی تو میں آخر میں اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہوں، تاکہ اللہ میری کوتاہیوں کو معاف فرما دے۔

پانچواں احتمال:

اَوْ اَنَّ کِتَابَهٗ مِنْ اَعْظَمِ الْعِبَادَاتِ وَ التَّسْبِیْحُ یَحْسُنُ عَقَبَ الْعِبَادَاتِ کَمَا یُسْتَحَبُّ بَعْدَالصَّلَوَاتِ ۔ فَسَبَّحَ عَقَبَ فَرَاغِهٖ مِنَ التَّعْفِیْفِ

یا یہ کہ یہ بخاری شریف جو انہوں نے لکھی یہ عبادتوں میں سے عظیم عبادت تھی۔ نماز کے بعد سنت ہے کہ جب انسان فرض نماز ادا کر لے تو تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمدللہ، چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لے۔ تو تسبیح کا پڑھنا فرض ادا کرنے کے بعد سنت ہے۔ تو علما نے لکھا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بخاری شریف کو لکھ کر اور ہر ترجمہ پہ دو رکعت پڑھ کر اس عبادت کو ادا کیا اور آخر پہ انہوں نے تسبیح بیان کر دی، تاکہ ان کو عبادت کے بعد تسبیح بیان کرنے کی فضیلت حاصل ہو جائے۔

چھٹا احتمال:

اَوْ اَنَّهٗ اَرَادَ بِذٰلِكَ الدُّعَاءَ عِنْدَ فَرَاغِهٖ مِنْ کِتَابِهٖ لِقَوْلِهٖ عَزَّ وَ جَلَّ

یا ان کی مراد یہ تھی کہ کتاب کو ختم کرنے کے بعد وہ دعا کرنا چاہتے تھے جو جنتی آخر میں کریں گے اس لیے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ دَعْوَاهُمْ فِیْهَا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلَامٌ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾ (یونس:۱۰)

تو جنتی بھی آخر میں اللہ کی تسبیح کریں گے اور حمد بیان کریں گے۔

ساتواں احتمال:

اَوْ اَنَّ الْبُخَارِیَّ اقْتَدٰی بِمَارُوِیَ عَنِ السَّلَفِ

کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسلاف کی پیروی کی۔

چونکہ اسلاف کے بارے میں آتا ہے، عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں:

اَلْاَوَّابُ الْحَفِيْظُ الَّذِىْ لَا يَقُوْمُ مِنْ مَّجْلِسٍ اِلَّا اسْتَغْفِرَاللّٰهَ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا مَا اَصَبْنَا مِنْ مَّجْلِسِنَا سُبْحَانَ اللّٰه وَ بِحَمْدِهٖ (الجامع لاخلاق الراوی للخطیب البغدادی: ۱۲۱/۴)

اوّاب وہ ہے، حفیظ وہ ہے (عقلمند وہ ہے) جو اپنی مجلس سے کھڑا ہونے سے پہلے استغفار پڑھے اور ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ)) پڑھے‘‘

تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کتابت سے جب فارغ ہوئے تو انہوں نے اس جگہ پر تسبیح کو لاکر اس پر عمل کر کے دکھا دیا۔ اللہ رب العزت اس مجلس میں ہمارے بیٹھنے کو قبول فرمائے اور ہم بھی بار بار یہ پڑھیں:

((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ))

((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ))

((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ))

﴿وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ (فاطر:۵)

دنیا کی حقیقت

بیان: محبوب العلماء والصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
تاریخ: ۸ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ، بروز جمعہ، مطابق 2 مارچ 2012ء
موقع: خطبہ جمعۃ المبارک
مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

اقتباس

دنیا بڑی میٹھی ہے اور بڑی سرسبز ہے۔ سرسبز کا کیا مطلب؟ کہ جو چیز سرسبز ہوتی ہے، وہ دیکھنے میں خوشنما لگتی ہے۔ دنیا ہر دیکھنے والے کو خوشنما لگتی ہے، دل کو کھینچتی ہے۔ اور میٹھی کا کیا مطلب؟ میٹھی چیز کو کھاتے رہنے کا دل کرتا ہے، چھوڑنے کا دل ہی نہیں کرتا۔ پیٹ بھر جاتا ہے آنکھیں نہیں بھرتیں۔ تو فرمایا: یہ دنیا ایسی سرسبز ہے کہ ہر بندہ اس کی طرف کھنچتا ہے اور میٹھی بھی ایسی کہ بندہ کہتا ہے کہ مجھے تو مرنے کی بھی فرصت نہیں۔ یہی دنیا کا دھوکہ ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ انسان دنیا میں رہتے ہوئے اپنی ضروریات کو پورا کرے مگر ہمیشہ اپنے مقصد کو سامنے رکھے۔ مقصد کو بھول جانا اور فقط دنیا کی جنت سجانے میں لگ جانا یہ انسان کی بے وقوفی کی علامت ہوتی ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

دنیا کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
﴿یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ (فاطر:۵)
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دنیا کی زندگی ایک خواب کی مانند:

دنیا دار العمل ہے آخرت دار الجزا ہے۔ دنیا دار الفنا ہے آخرت دار البقا ہے۔ دنیا دار الغرور ہے آخرت دار السرور ہے۔ دنیا مٹی اور گارے سے بنی اور فنا ہونے والی ہے۔ جنت سونے اور چاندی سے بنی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ آخرت کے مقابلے میں اس دنیا کا مقام مکھی کے پر کے برابر بھی نہیں۔ اس لیے جو انسان دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اسے خواب لگتا ہے ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو کچھ سنا افسانہ تھا

قرآن مجید میں گواہی موجود ہے کہ جہنمی جہنم میں یہی کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں رہے تھے:

﴿اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰهَا﴾ (النّٰزِعٰت:۴۶)

ایک شام یا صبح (سے زیادہ نہیں ٹھہرے)

یعنی کہ پوری زندگی انسان کو ایک خواب محسوس ہوگی۔ ؎

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

اب اس تھوڑی سی زندگی کی خاطر انسان اپنی آخرت کو تباہ کر بیٹھے تو اس سے بڑی بے وقوفی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔اس لیے حقیقتِ دنیا کو سمجھنا یہ انتہائی ضروری ہے۔

سمندر اور قطرے کی مثال:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ اللّٰهِ مَا الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ اِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ تَرْجِعُ﴾ (صحیح مسلم، رقم:۲۸۵۸)

''اللہ کی قسم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی یہی مثال ہے جیسے تم میں سے کوئی بندہ سمندر میں اپنی انگلی ڈالے اور نکال کر دیکھ لے کہ کتنا پانی ساتھ لائی ہے۔''

اسی طرح انگلی ڈالنے سے کتنا پانی انگلی کے ساتھ آئے گا؟ ایک قطرہ......تو جو ایک قطرے کو سمندر کے ساتھ مماثلت ہے دنیا کو آخرت کے ساتھ اتنی بھی مماثلت نہیں۔

دنیا ایک مسافر خانہ:

اس لیے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

﴿مَالِيْ وَمَا لِلدُّنْيَا مَا اَنَا فِي الدُّنْيَا اِلَّا كَرَاكِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ

شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا﴾(سنن الترمذی:۲۲۹۹)

''مجھے اس دنیا سے کیا سروکار ہے؟ میری مثال ایک ایسے مسافر کی سی ہے جو دورانِ سفر کسی درخت کے نیچے تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد بالآخر وہ وہاں سے چلا گیا۔''

اس طرح ہم بھی مسافر ہیں۔ عالم ارواح سے سفر شروع ہوا، کچھ عرصہ ماں کے پیٹ میں رہے، پھر کچھ عرصہ زمین و آسمان کے پیٹ میں رہیں گے، پھر اس کے بعد زمین کے پیٹ میں چلے جائیں گے۔ ایک وقت آئے گا کہ اپنے رب کے سامنے ہم سب کھڑے ہوں گے، اس وقت فیصلہ ہوگا کہ کون سعید ہے اور کون شقی ہے؟ ہم تو راہ کے راہی ہیں، منزل کو نہ بھولیں۔ جو بندہ دنیا سے دل لگا بیٹھتا ہے، وہ اپنی منزل کو پھر بھول جاتا ہے۔

دنیا......حقیر ترین چیز:

اس لیے ایک عالم سے کسی نے پوچھا:

اَیُّ خَلْقِ اللّٰهِ اَصْغَرُ

''اللہ کی مخلوق میں سے سب سے چھوٹی چیز کون سی ہے؟''

قَالَ الدُّنْیَا

''کہا: دنیا ہے۔''

لِاَنَّهَا لَا تَعْدِلُ عِنْدَاللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ

''کیونکہ (حدیث پاک کے مطابق) یہ دنیا اللہ کی نظر میں مکھی کے پر کے برابر بھی نہیں''

مکھی کے پر کی کیا حیثیت ہے؟ پوری دنیا اللہ کی نظر میں اتنی بھی اوقات نہیں

رکھتی۔

اللہ نے پوری دنیا کو قلیل کہا، فرمایا:

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ﴾ (النسا:۷۷)

''کہہ دیجیے کہ یہ دنیا قلیل ہے''

چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ كُلَّهَا قَلِيْلًا وَ مَا بَقِيَ مِنْهَا قَلِيْلٌ مِنْ قَلِيْلٍ

(الزھد لابی داؤد:۱/۱۴۱)

کہ یہ متاعِ قلیل ہے اور جواب دنیا باقی بچ گئی وہ قلیل میں سے بھی اقل ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان:

اس لیے عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے کہا:

لَا يَسْتَطِيْعُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّبْنِيَ عَلٰى مَوْجِ الْبَحْرِ دَارًا كَذٰلِكُمُ الدُّنْيَا لَا تَتَّخِذُوْهَا قَرَارًا (الزھد لاحمد بن حنبل: ۱/۹۳)

تم میں سے کوئی بندہ بھی پانی کی لہروں کے اوپر گھر نہیں بناتا، پل کے اوپر گھر نہیں بناتا، یہی حال تمہاری دنیا کا ہے کہ تم اسے مسکن نہ سمجھ لینا۔

دنیا ہلاک کر دینے والی ہے:

عمر رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا:

فَغَمِّضْ عَنِ الدُّنْيَا عَيْنَكَ وَوَلِّ عَنْهَا قَلْبَكَ وَاِيَّاكَ اَنْ تُهْلِكَكَ كَمَا اَهْلَكَتْ مَنْ كَانَ قَبْلَكَ (الزھد لابی داؤد:۱/۹۹)

''تو دنیا سے اپنی آنکھوں کو بند کر لے اور دل کو اس دنیا سے پھیر لے یہ نہ ہو کہ

دنیا تجھے ایسے ہلاک کر دے جس طرح کہ اس نے اپنے پہلے والوں کو ہلاک کر دیا''

کیسے ہلاک کیا؟ کہ لمبی امیدیں باندھ کر زندگی گزارتے رہے اور پھر تیاری نہ کر سکے، دنیا کے جھمیلوں میں پھنسے رہے، بالآخر موت آ گئی۔

دنیا کے بیٹے نہ بنو:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

وَ لَا تَکُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْیَوْمَ عَمَلٌ وَّ لَا حِسَابَ وَ غَدًا حِسَابٌ وَّ لَا عَمَلَ (شعب الایمان۔ البیہقی:۷/۳۶۹)

''تم دنیا کے بیٹے نہ بنو۔ اس دنیا میں عمل ہے حساب نہیں ہے اور کل قیامت کے دن حساب ہوگا اور انسان عمل نہیں کر سکے گا۔''

میٹھی اور سرسبز دنیا:

نبی علیہ السلام نے دنیا کی حقیقت کو دو لفظوں میں سمجھا دیا۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ دو لفظوں میں بات ہی سمیٹ دی۔ تو واقعی اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لفظوں میں بات سمیٹ دی فرمایا:

﴿اِنَّ الدُّنْیَا حُلْوَۃٌ خَضِرَۃٌ﴾ (صحیح مسلم:۲۸۶/۳)

دنیا بڑی میٹھی ہے اور بڑی سرسبز ہے۔ سرسبز کا کیا مطلب؟ کہ جو چیز سرسبز ہوتی ہے، وہ دیکھنے میں خوشنما لگتی ہے۔ دنیا ہر دیکھنے والے کو خوشنما لگتی ہے، دل کو کھینچتی ہے۔ اور میٹھی کا کیا مطلب؟ میٹھی چیز کو کھاتے رہنے کا دل کرتا ہے، چھوڑنے کا دل ہی نہیں کرتا۔ پیٹ بھر جاتا ہے آنکھیں نہیں بھرتیں۔ تو فرمایا: یہ دنیا ایسی سرسبز ہے کہ

ہر بندہ اس کی طرف کھنچتا ہے اور میٹھی بھی ایسی کہ بندہ کہتا ہے کہ مجھے تو مرنے کی بھی فرصت نہیں۔ یہی دنیا کا دھوکہ ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ انسان دنیا میں رہتے ہوئے اپنی ضروریات کو پورا کرے مگر ہمیشہ اپنے مقصد کو سامنے رکھے۔ مقصد کو بھول جانا اور فقط دنیا کی جنت سجانے میں لگ جانا یہ انسان کی بے وقوفی کی علامت ہوتی ہے۔

ہلاکت میں ڈالنے والا مال:

حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب نبی علیہ السلام معراج پر تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے جنت کو دیکھا۔ چنانچہ بعد میں آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا:

﴿لَا اَرٰی فِیْهَا اَحَدًا اَقَلَّ مِنَ الْاَغْنِیَاءِ وَالنِّسَاءِ﴾

کہ میں نے جنت کے اندر امیروں کو اور عورتوں کو بہت کم دیکھا

اور مجھے کہا گیا:

﴿فَقَالَ لِیْ اَمَّا الْاَغْنِیَاءُ فَاِنَّهُمْ عَلَی الْبَابِ یُحَاسَبُوْنَ وَیُمَحَّصُوْنَ﴾

جو امیر لوگ ہیں وہ تو ابھی دروازے پر ہیں، ان کا ابھی حساب اور تفتیش ہو رہی ہے۔

وہ تو ابھی اپنا حساب دینے میں الجھے ہوئے ہیں۔

﴿وَ اَمَّا النِّسَاءُ فَاَلْهَاهَا الْاَحْمَرَانِ الذَّهَبُ وَالْحَرِیْرُ﴾

(جامع الاحادیث:۳۲۱۲)

''اور رہ گئی بات عورتوں کی تو ان کو دو سرخ چیزوں نے ہلاکت میں ڈال دیا سونے نے اور ریشم نے۔''

ان زیورات اور کپڑے پہننے کی تمناؤں نے ان کو دھوکہ میں ڈال دیا۔ اچھے

کپڑے پہن لیتی ہیں تو پھر پردہ کر کے جانا ان کو مشکل ہوتا ہے۔ بے پردگی کا اظہار کرتی ہیں تو دوسروں کے لیے فتنے کا سبب بنتی ہیں۔ تو سونے اور ریشم نے عورتوں کو ہلاکت میں ڈال دیا۔

دنیا کے عقلمندوں کی بربادی:

وہیب بن الورد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

وَيْلٌ لِمَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا اَمَلُهُ وَ الْخَطَايَا عَمَلُهُ، عَظِيْمٌ بَطْشَتُهُ قَلِيْلٌ فِطْنَتُهُ عَالِمٌ بِاَمْرِ دُنْيَاهُ (العاقبة فی ذکر الموت: ۱/۹۰)

''بربادی ہے اس کے لیے جس کی کل امیدوں کی منتہا صرف دنیا ہو اور گناہ اس کا کام ہو۔ اس کی پکڑ سخت ہو، عقل اس کی تھوڑی ہو، دنیا کے کاموں میں بڑا ماہر آخرت کے کاموں میں بڑا جاہل۔''

واقعی! یہ بات صحیح ہے کہ جو بندہ دنیا کے کاموں میں بہت تیز ہوتا ہے تو وہ آخرت کے معاملے میں کہتا ہے: جی مجھے سمجھ ہی نہیں آتی۔

حقیقی عقلمند کون؟

فقہا کے پاس ایک مسئلہ آیا کہ کوئی شخص اپنی وراثت تقسیم کرنے کے لیے یہ وصیت کرے کہ اس کو متوکلین میں تقسیم کیا جائے، تو فقہا نے کہا کہ اسے کاشت کاروں میں تقسیم کرو۔ دوسرا سوال آیا کہ اگر وہ یہ کہے کہ اس کو عقلمندوں میں تقسیم کرو۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ اسے زاہدین میں تقسیم کیا جائے۔ زاہدین کون ہوتے ہیں؟ جو دنیا سے رخ پھیر کر آخرت کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں وہ زاہد ہیں۔

تیسرا سوال فقیر کے ذہن میں آتا ہے کہ اگر کوئی یہ وصیت کر کے مرے کہ

اس کا مال بے عقلوں اور بے بسوں میں تقسیم کرو تو کس میں تقسیم کریں گے؟ تو سمجھ میں یہ بات آتی ہے مالداروں میں تقسیم کریں گے۔ اس لیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلدُّنْیَا دَارٌ مَنْ لَا دَارَ لَهُ وَ مَالٌ مَنْ لَا مَالَ لَهُ وَ لَهَا یَجْمَعُ مَنْ لَا عَقْلَ لَهُ﴾ (مسند احمد:۲۴۴۱۹)

''دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں، اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں اور اس کے پیچھے وہی پڑتا ہے جس میں کوئی عقل نہیں''

اس کو جمع وہ کرتا ہے جس میں عقل کی رتی نہیں ہوتی۔ تو مالدار بندے کی بے عقلی کے اوپر حدیث پاک کی مہر لگی ہوئی ہے۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب دعا:

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

اُدْعُوْا وَ أَمِّنُوْا عَلٰی دُعَائِیْ

''تم بھی دعا کرو اور میری دعا پر آمین بھی کہو۔''

کون سی دعا؟

اَللّٰهُمَّ لَا تُدْخِلْ بَیْتَ مَالِكٍ مِنَ الدُّنْیَا قَلِیْلًا وَ لَا كَثِیْرًا

''اے اللہ! مالک کے گھر میں دنیا کو نہ تھوڑا داخل ہونے دینا نہ زیادہ داخل ہونے دینا۔''

اور فرماتے تھے:

قُوْلُوْا آمِین ''سب اس پر آمین کہو''

دنیا، اللہ سے غافل ہونے کا نام ہے:

یہاں دنیا سے کیا مراد ہے؟ دنیا سے مراد غفلت ہے۔ دنیا کیا ہے؟

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے کماش و نقرہ و فرزند و زن

''اللہ سے غافل ہونے کا نام دنیا ہے۔ کاروبار کرنا، بیوی بچوں کا ہونا، اس کا نام دنیا نہیں ہے''

دنیا غفلت کا دوسرا نام ہے۔ تو بھئی! اگر غفلت کا نام دنیا ہے تو اللہ اس کو زیادہ یا تھوڑا ہمارے گھر میں داخل ہونے سے بچالے۔ اس پر آمین کہنا چاہیے۔

ابراھیم بن سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی قناعت:

ابراھیم بن سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: (سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں تھے)

كَيْفَ كَانَ يَأْكُلُ اَبُوْكُمْ مِنْ مَالِكُمْ

تمہارے والد تمہارے مال میں سے کتنا کھایا کرتے تھے؟

انہوں نے یہ کہا کہ ابو مجھے یہ کہا کرتے تھے:

اٰكُلُ مِنْ مَالِكُمْ بِقَدْرِ مَا يَحِلُّ لِيْ مِنَ الْمَيْتَةِ

''میں تمہارے مال میں سے اتنا کھاتا ہوں جتنا کہ مردار بندے کے لیے جائز ہو جاتا ہے۔''

اگر کوئی بھوک کی وجہ سے قریب المرگ ہو تو اس کے لیے اتنا مردار کھانا جائز ہو جاتا ہے کہ جس سے اس کی جان بچ جائے۔ تو فرمایا جتنا مردار کھانا جائز ہے، میں

حلال کو بھی تمہارے مال میں سے اتنا ہی کھاتا ہوں۔

درھم کے نام کی وجہ تسمیہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ درہم کو درہم کیوں کہتے ہیں؟ جیسے ہم لوگ اپنی زبان میں روپیہ کہتے ہیں تو عربوں میں درہم ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ درہم کیوں کہا جاتا ہے؟

انہوں نے کہا کہ اصل لفظ تھا دَارُ هَمٍّ (غم کا گھر) اور وقت کے ساتھ ساتھ وہ درہم بن گیا، جس کو یہ مل گیا اس کو غم کا گھر مل گیا۔

''دنیا'' اور ''مال'' کی وجہ تسمیہ:

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ دنیا کو دنیا کیوں کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا:

اِنَّمَا سُمِّيَتِ الدُّنْيَا لِاَنَّهَا دَنِيَّةٌ

''اسے دنیا اس لیے کہتے ہیں کہ یہ گھٹیا ہے''

''دنية'' کہتے ہیں گھٹیا چیز کو بے قیمت چیز کو تو دنیا کا نام ہی اس لیے رکھا یا کہ یہ آخرت کے مقابلے میں ردی چیز ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

سُمِّيَ الْمَالُ لِاَنَّهُ يَمِيْلُ بِاَهْلِهٖ

(حلية الاوليا و طبقات الاصفيا: ۱۰/۷)

''مال کا نام مال اس لیے رکھا گیا کہ مال اس کے اہل کی طرف مائل کرتا ہے'' یہ مالداروں کی طرف کھینچ کے لے جاتا ہے۔ اسی لیے مال کا نام مال ہے کہ جس

کے پاس آئے وہ دین داروں سے کٹے گا مال والوں سے جڑے گا۔

دل اور دنیا کی حیثیت:

بعض علماء نے کہا:

اَلدُّنْيَا دَارُ خَرَابٍ وَ اَخْرَبُ مِنْهَا قَلْبُ مَنْ يَعْمُرُهَا

''دنیا دار خراب ہے اور اس سے بھی زیادہ خراب وہ دل ہے جو اس دنیا کو آباد کرتا ہے۔''

وَ الْجَنَّةُ دَارُ عِمْرَانٍ اَعْمَرُ مِنْهَا قَلْبُ مَنْ يَطْلُبُهَا

(احیاء علوم الدین: ۳/۲۱۰)

''اور جنت آبادی کا گھر ہے اور اس سے زیادہ آباد وہ دل ہے جو جنت کو طلب کرتا ہے''

ہمارے اکابر چالیس سال تک کام کاج میں محنت کرتے تھے، اس کے بعد زندگی کا زیادہ حصہ اپنی آخرت سنوارنے میں لگا دیتے تھے۔

دنیا کی صفت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ ہمارے سامنے دنیا کی کچھ تفصیل بیان کیجیے، صفت بیان کیجیے۔ انہوں نے فرمایا: میں کیا اس کی صفت بیان کروں۔ یہ کیا دنیا ہے کہ

حَلَالُهَا حِسَابٌ وَ حَرَامُهَا عَذَابٌ

حلال بھی ہوگی تو حساب ہوگا اور حرام ہوگی تو عذاب ہوگا۔

مَنْ صَحَّ فِيْهَا زَمِنَ

جو اس میں ٹھیک رہا وہ شل ہو گیا۔

وَ مَنْ مَرِضَ فِيْهَا نَدِمَ

اور جو اس میں بیمار ہوا، اس کو ندامت ہوئی۔

وَ مَنِ اسْتَغْنٰى فِيْهَا فُتِنَ

اور جو اس میں غنی ہوا وہ فتنے (امتحان) میں پڑ گیا۔

وَ مَنْ اِفْتَقَرَ فِيْهَا حَزِنَ (الآداب الشرعیه:۱/۴۴۰)

جو اس میں فقیر ہوا وہ غمگین ہوا۔

نہ ادھر چھٹیں گے نہ ادھر چھٹیں گے۔

اس لیے شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

اَلدُّنْيَا خِيَالٌ وَ طَلَبُهَا وَبَالٌ وَّ تَرْكُهَا جَمَالٌ وَّ الْاِعْرَاضُ عَنْهَا كَمَالٌ

''دنیا ایک خیال ہے، اسے طلب کرنا وبال ہے اسے چھوڑنا خوبی ہے اور اس سے اعراض کرنا کمال ہے''

انسان کے لیے کتنی دنیا کافی ہے:

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آدمی کتنی دنیا پر مطمئن ہو جائے؟ کوئی تو ایسی Limit (حد) ہونی چاہیے کہ جس پر بندہ کہے جی بس الحمدللہ! کافی ہے۔

○ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے پوچھا:

مَا يَكْفِيْنِىْ مِنَ الدُّنْيَا؟

دنیا میں سے مجھے کتنی دنیا کفایت کرتی ہے؟ (جو کافی ہو جائے)

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((مَا سَدَّ جُوْعَتَكَ))

اتنی دنیا، اتنا مال کہ جس سے تمہاری بھوک مٹ جائے۔

((وَ وَارٰی عَوْرَتَكَ))

اور تیرا بدن ڈھانپ لیا جائے۔ (فقط ڈھنپ جائے)

((فَاِنْ كَانَ لَكَ بَيْتٌ يُظِلُّكَ))

اور تیرے پاس گھر ہو جو تجھے سایہ فراہم کرے۔

((اَوْ دَابَّةٌ تَرْكَبُهَا))

یا تجھے سواری کا ایک جانور مل جائے۔

((فَبَخٍ بَخٍ)) (اتحاف الخيرة المهمرة: ۷۲۷۳)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: (یہ مل جائے) پھر تو تیری تو واہ واہ ہے۔

کھانا مل جائے اور لباس مل جائے اور گھر مل جائے اور سواری مل جائے، اگر یہ چیزیں مل گئیں تو پھر زندگی کی واہ واہ ہے۔

○ اسی لیے عبداللہ ابن سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ

مَنْ كَانَ لَهٗ بَيْتًا يَاوِيْ اِلَيْهِ

''جس بندے کا گھر ہو جس میں وہ ٹھکانہ پکڑ لے۔''

وَ خَادِمًا يَخْدُمُهٗ

''اس کے پاس نوکر ہو جو اس کی خدمت کرے۔''

وَ زَوْجَةً

''اور اس کے پاس بیوی بھی ہو۔''

فَهُوَ مِنَ الْمُلُوْكِ الَّذِيْنَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: جَعَلَكُمْ مُلُوْكًا

وہ تو ان بادشاہوں میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے بارے میں کہا کہ ہم نے ان کو بادشاہ بنایا۔

یعنی جس کے پاس گھر ہو، بیوی ہو، خادم ہو وہ اپنے آپ کو دنیا میں بادشاہ سمجھے۔

○ اس لیے لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا تھا:

يَا بُنَيَّ خُذْ مِنَ الدُّنْيَا بَلَاغًا

میرے بیٹے! دنیا سے اتنا کچھ حاصل کر کہ جو تیری ضرورت کو پورا کر دے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا گزرانِ زندگی:

ہمارے اکابر اپنی آخرت کو سامنے رکھتے تھے۔ آخرت کے فائدے کی خاطر دنیا کی مشقت اور تنگی کو برداشت لیتے تھے۔ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ وقت کے امیر المؤمنین تھے، خزانوں کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں تھیں مگر ان کے ذاتی حالات سن لیجیے:

دَخَلَ عُمَرُ بْنُ عَبْدُالْعَزِيْزِ عَلٰى فَاطِمَةَ فَقَالَ: يَا فَاطِمَةُ! عِنْدَكَ دِرْهَمٌ أَشْتَرِيْ بِهٖ عِنَبًا قَالَتْ: لَا قَالَ فَعِنْدَكَ الْفُلُوْسُ اشْتَرِيْ بِهٖ عِنَبًا قَالَتْ لَا۔ وَ اَقْبَلَتْ عَلَيْهِ فَقَالَتْ: اَنْتَ اَمِيْرُالْمُؤْمِنِيْنَ لَا تَقْدِرُ عَلٰى دِرْهَمٍ تَشْتَرِيْ بِهٖ عِنَبًا وَ لَا عَلٰى فُلُوْسٍ تَشْتَرِيْ بِهٖ عِنَبًا

ایک مرتبہ گھر آئے اور بیوی کو کہا کہ ''فاطمہ! تیرے پاس ایک درہم ہے کہ میں اس سے کچھ انگور خرید لوں؟'' اس نے کہا: نہیں ہے۔ ''اچھا کوئی پیسہ ہے کہ اس سے میں انگور خریدوں؟'' اس نے کہا: نہیں، وہ آگے بڑھی اور کہنے لگی: عجیب بات کہ آپ امیر المؤمنین ہیں اور نہ درہم کے انگور خرید سکتے ہیں،

نہ پیسوں کے کچھ خرید سکتے ہیں؟

فَقَالَ هٰذَا اَهْوَنُ عَلَيَّ مِنْ مُعَالَجَةِ الْاَغْلَالِ غَدًا فِيْ جَهَنَّمَ

انہوں نے جواب دیا کہ یہ میرے لیے آسان ہے بنسبت جہنم کے اندر بیڑیوں کے ساتھ گھسیٹا جانے کے۔

دنیا سائے کی مانند ہے:

عام طور پر دیکھا یہ گیا کہ دنیا ایک سائے کی مانند ہوتی ہے۔ جو اس کے پیچھے بھاگتا ہے یہ آگے بھاگتی ہے۔ اور جو سائے سے ہٹ کر سیدھی منزل کی طرف جاتا ہے تو یہ سایہ کی طرح اس کے پیچھے پیچھے آتی ہے۔

ابو سلیمانی دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

اَلدُّنْيَا تَطْلُبُ الْهَارِبَ مِنْهَا وَ تَهْرُبُ مِنَ الطَّالِبِ لَهَا فَإِنْ اَدْرَكَتِ الْهَارِبَ مِنْهَا جَرَحَتْهُ وَ اِنْ اَدْرَكَتِ الطَّالِبَ لَهَا قَتَلَتْهُ

''دنیا اسے طلب کرتی ہے جو دنیا سے دور بھاگتا ہے، اور جو اس کا طلب گار ہوتا ہے اس سے یہ دنیا دور بھاگتی ہے۔ اگر یہ خود سے بھاگنے والے کو پالے تو اسے زخمی کر دیتی ہے اور اگر یہ اپنے طلب گار کو پالیتی ہے تو یہ اسے قتل کر دیتی ہے''

اور واقعی دنیا اسے مار کے چھوڑتی ہے۔

دنیا کا ذکر ہی نہ کرو:

ابو عباس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے پاس کچھ لوگ تھے اور دنیا کی بڑی مذمت کر رہے تھے کہ یہ اچھی نہیں ہوتی، یہ بڑی خراب ہے۔ تو جب

خوب اس کا تذکرہ کیا تو آپ کہنے لگیں:

اَقِلُّوْا مِنْ ذَمِّ الدُّنْيَا فَاِنَّهُ مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهُ

''دنیا کی مذمت (میرے سامنے) کم کیا کرو، کیونکہ جو جس سے محبت کرتا ہے اس کا تذکرہ زیادہ کرتا ہے''۔ دل میں محبت ہے تو اتنی دیر سے تم اس کے تذکرے کر رہے ہو۔

دنیا کی محبت سے توبہ کی ضرورت:

حدیث مبارکہ سنیے! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

ذَنْبٌ عَظِيْمٌ لَا يَسْأَلُ النَّاسُ اللّٰهَ الْمَغْفِرَةَ مِنْهُ حُبُّ الدُّنْيَا

(کنز العمال:۶۱۷۱)

ایک بڑا گناہ جس سے لوگ اللہ تعالیٰ سے مغفرت نہیں مانگتے، وہ دنیا کی محبت ہے۔

یہ نشاندہی کون کر رہے ہیں؟ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے ہیں اور دنیا کی محبت کو ذَنْبٌ عَظِيْمٌ کہا کہ وہ بڑا گناہ جس سے لوگ اللہ سے مغفرت نہیں مانگتے۔ تو دل میں دنیا کی محبت ہونا یہ بذاتِ خود ایک گناہ ہے۔ اور واقعی کبھی آپ نے کسی کو دیکھا کہ کوئی بندہ رو رہا ہو کہ اے اللہ! میں دنیا سے محبت کرتا رہا، میرے اس عظیم جرم کو معاف کر دیجیے۔

چنانچہ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علما کے فضائل گنوائے اور فرمایا:

قُلُوْبُهُمْ مَلْاٰى مِنَ الدَّاءِ وَلَا دَاءَ اَشَدُّ مِنْ حُبِّ الدُّنْيَا وَ لَا دَوَاءَ اَكْبَرُ مِنْ تَرْكِهَا (کنز العمال:۸۵۶۹)

کہ ان کے جو دل ہوتے ہیں وہ بیماری سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور بیماری

حبِ دنیا کی ہوتی ہے۔اوراس کی کوئی دوااس کو چھوڑ دینے سے زیادہ بڑی نہیں ہے۔

یہ جو اہل علم ہیں وہ سمجھتے ہیں۔اس لیے جب قارون نکلتا تھا،

﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ﴾ (القصص:۷۹)

''بڑی زیب وزینت کے ساتھ بن سنور کر نکلتا تھا''

اور قوم دیکھتی تھی تو کہتی تھی:

﴿یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ﴾ (القصص:۷۹)

''ہائے ہمارے پاس بھی اتنے ملین ہوتے جیسے یہ قارون کے پاس ہیں۔''

تو جب دنیا قارون جیسا بننے کی تمنائیں کرتی تھی،اس وقت کے بھی جو علما تھے انہوں نے کہا:

﴿وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا﴾ (القصص:۸۰)

تمہارا ناس ہو، یہ دنیا کی حقیقت تمہارے سامنے کیا ہے؟ اصل تو اللہ کے پاس جو خزانے ہیں وہ اس سے زیادہ بہتر ہیں۔

طالبِ دنیا معرفتِ الٰہی سے محروم ہوتا ہے:

ابوسلمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِذَا اَحَبَّ الْعَبْدُ الدُّنْیَا فَاٰثَرَهَا

جب کوئی بندہ دنیا سے محبت کرتا ہے۔

دنیا سے مراد دنیا کا مال، دنیا کی چمک دمک، جو غفلت کی باتیں ہوتی ہیں، ان سے وہ مراد ہیں۔

یَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ لَاُنْسِیَنَّهٗ مَعْرِفَتِیْ حَتّٰی یَلْقَانِیْ وَ هُوَ لَا یَعْرِفُنِیْ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں تجھے اپنی معرفت کا حاصل کرنا بھلا دوں گا، حتیٰ کہ تو اسی حال میں مجھ سے آ کر ملاقات کرے گا کہ میری معرفت تجھے نہیں ہوگی۔

تو معلوم ہوا کہ جو دنیا سے محبت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے محروم رہ جاتا ہے۔

حبِ دنیا کی وجہ سے نصیحت بے اثر:

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

اِنَّ الْبَدَنَ اِذَا سَقِمَ لَمْ یَنْجَحْ فِیْهِ طَعَامٌ وَ لَا شَرَابٌ وَ لَا نَوْمٌ وَ لَا رَاحَةٌ

''جب بدن بیمار ہوتا ہے تو کھانا، پینا، نیند اور آرام اس کو فائدہ نہیں دیتے''

وَ کَذٰلِكَ الْقَلْبُ اِذَا عَلِقَهٗ حُبُّ الدُّنْیَا لَمْ تَنْجَحْ فِیْهِ الْمَوْعِظَةُ

(حلیة الاولیا و طبقات الاصفیا:۲/۳۶۳)

''اسی طرح کا معاملہ دل کا ہے کہ جب دل میں دنیا کی محبت آ جاتی ہے تو پھر بندے کے اوپر نصیحت اثر نہیں کرتی''

مردِ ناداں پہ کلامِ نرم و نازک بے اثر

جتنی نصیحت کرتے رہو ادھر سے سن کر ادھر سے نکال دیتا ہے۔

چنانچہ یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی:

یَا یُوْنُسُ اِذَا اَحَبَّ الْعَالِمُ الدُّنْیَا نَزَعْتُ حُبَّ مُنَاجَاتِیْ مِنْ قَلْبِهٖ

''اے یونس! جب کوئی عالم دنیا سے محبت کرتا ہے تو پھر میں اپنی مناجات کی لذت سے اس بندے کو محروم کر دیتا ہوں۔''

دنیادار بندہ گناہ سے بچ نہیں سکتا:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

هَلْ مِنْ اَحَدٍ يَمْشِيْ عَلَى الْمَاءِ اِلَّا ابْتَلَّتْ قَدَمَاهُ؟

کوئی تم میں سے ہے جو پانی میں چلے اور اس کے پاؤں گیلے نہ ہوں؟

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

كَذٰلِكَ صَاحِبُ الدُّنْيَا لَا يَسْلِمُ مِنَ الذُّنُوْبِ (کنز العمال:۶۱۵۱)

''اسی طرح جو دنیادار بندہ ہوتا ہے، وہ گناہوں سے بچ نہیں سکتا''

دنیا کی محبت سے دل پر پردہ:

ابراھیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا۔

لِمَ حُجِبَتِ الْقُلُوْبُ عَنِ اللّٰهِ

دلوں پر پردہ کیوں آجاتا ہے؟

قَالَ لِاَنَّهَا اَحَبَّتْ مَا اَبْغَضَ اللّٰهُ، اَحَبَّتِ الدُّنْيَا وَ مَالَتْ اِلٰى دَارِ الْغُرُوْرِ (حلية الاوليا و طبقات الاصفيا:۱۲/۸)

اس لیے کہ دل اس چیز سے محبت کرتے ہیں، جسے اللہ نے منع کیا۔

دنیا کی تعمیر میں آخرت کی بربادی:

چنانچہ سلیمان بن عبدالملک نے ایک دفعہ ابوحازم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا:

مَا لَنَا نَكْرَهُ الْاٰخِرَةَ؟

آخرت سے ہم کراہت کیوں کرتے ہیں؟

انہوں نے کہا:

لِاَنَّكُمْ عَمَرْتُمْ دُنْيَاكُمْ وَ خَرَبْتُمْ آخِرَتَكُمْ فَاَنْتُمْ تَكْرَهُوْنَ اَنْ تَنْتَقِلُوْا مِنَ الْعِمْرَانِ اِلَى الْخَرَابِ

(مختصر منهاج القاصدين للمقدسی :۷۴/۲)

تم نے دنیا کو تعمیر کیا آخرت کو خراب کر لیا، لہٰذا تمہارا ابھی اب آبادی سے بربادی کی طرف جانے کو دل نہیں کرتا۔

اور یہ دنیا کی آبادی دیکھو اس کی کیا حقیقت ہے کہ جانا تو بالآخر قبر میں ہے۔

بادشاہ اور فقیر کا انجام کار ایک ہے:

چنانچہ کتابوں میں ایک قصہ لکھا ہے۔

اِنَّ مَلِكًا مِنْ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ رَكِبَ يَوْمًا فِىْ مَرْكَبٍ لَهٗ فَتَشَرَّفَ النَّاسُ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ حَتّٰى مَرَّ بِرَجُلٍ يَّعْمَلُ شَيْئًا مَكِبًّا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرْفَعْ رَأْسَهٗ اِلَيْهِ۔ فَوَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ: كُلُّ النَّاسِ تَشَرَّفَ عَلَيَّ وَ نَظَرَ اِلَيَّ اِلَّا اَنْتَ! قَالَ الرَّجُلُ اِنِّىْ رَاَيْتُ مَلِكًا قَبْلَكَ كَانَ عَلٰى هٰذِهِ الْقَرْيَةِ۔ مَاتَ وَ هُوَ مِسْكِيْنَ فَدُفِنَ رَجُلٌ اِلٰى جَنْبِهٖ فَلَمْ اَزَلْ اَتَعَاهَدُهُمَا كُلَّ يَوْمٍ اَنْظُرُ اِلَيْهِمَا حَتّٰى تَفَرَّقَتْ اَوْ مَالَيْهُمَا وَ كَشَفَتِ الرِّيْحُ عَنْ قُبُوْرِهِمَا ثُمَّ اخْتَلَطَ رَأْسُ هٰذَا وَ رَأْسُ هٰذَا وَ عِظَامُ هٰذَا وَ عِظَامُ هٰذَا، فَلَمْ اَعْرِفْ رَأْسَ الْمَلِكِ مِنْ رَأْسِ النَّاسِ فَلِذٰلِكَ لَمْ اَنْظُرْ اِلَيْكَ

بنی اسرائیل کا ایک بادشاہ تھا، ایک دفعہ وہ اپنی سواری پر سوار ہو کر چلا۔ لوگ کھڑے ہو کر اس کو دیکھ رہے تھے کہ بادشاہ سلامت ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ جا رہے

ہیں۔ بادشاہ سلامت نے ایک بندے کو دیکھا، وہ جھک کر جا رہا تھا اور اس نے بادشاہ سلامت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ بادشاہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے اس کو بلا کر اس سے پوچھا: سب میری طرف دیکھ رہے ہیں، تو نے میری طرف نہیں دیکھا، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس بندے نے جواب دیا: میں نے یہاں آپ سے پہلے بادشاہ کو دیکھا کہ جب وہ فوت ہو گیا تو جہاں اسے دفن کیا گیا اس کے بالکل ساتھ ہی ایک مسکین فقیر بندے کو بھی دفن کیا گیا۔ دونوں کی قبریں بالکل ساتھ ساتھ بنیں۔ وہ کہتا ہے کہ میں وہاں سے گزرتا تھا، بس ان قبروں کو روز دیکھتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ قبریں بوسیدہ ہو گئیں اور ان کی مٹی آپس میں مل گئی۔ پھر ہوا نے ان کی قبروں کو کھول دیا...... بادشاہ کا سر اور اس فقیر کا سر آپس میں مل گئے۔ اور ان کی ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو کر مٹی بن گئیں اور آپس میں مل گئیں۔ پھر نہ فقیر کے سر کا پتہ چلتا تھا نہ بادشاہ کے سر کا پتہ چلتا تھا۔ اس لیے میں آپ کے سر کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ ؎

تو نے منصب بھی اگر پایا تو کیا
قصرِ عالیشان بھی بنوایا تو کیا
دبدبہ بھی اپنا دکھلایا تو کیا
گنجِ سیم و زر بھی ہاتھ آیا تو کیا
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نصیحت:

چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا تَتَّخِذُوا الدُّنْيَا رَبًّا فَتَتَّخِذُكُمُ الدُّنْيَا عَبِيْدًا (احیاء علوم الدین: ۳/۲۱۰)

''تم دنیا کو اپنا رب نہ بناؤ۔ اگر تم اس کو پوجو گے تو یہ دنیا تمہیں اپنا غلام بندہ بنا لے گی۔''

جیسے انسان رب کو پوجتا ہے، کچھ لوگ دنیا کو ایسے ہی پوجتے ہیں۔ وہ زر پرست بن جاتے ہیں۔ پھر وہ دنیا کے غلام بن جاتے ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے کہا کہ تم دنیا کی خاطر اپنی آخرت کو خراب نہ کرو!

عُرَاةٌ جِئتُمْ وَ عُرَاةٌ تَذْهَبُوْنَ

''ننگے دنیا میں آئے تھے اور ننگے ہی دنیا سے جانا ہے''

حقیقت تو یہی ہے نا کہ آتا ہے تو لباس ساتھ نہیں ہوتا اور جاتا ہے تو جسم تو ننگا ہی ہوتا ہے، بس چادر سے اس کو لپیٹ دیتے ہیں۔

طالبِ دنیا اپنی عبادات کے باوجود جہنم میں:

ایک بہت ہی سخت بات ہے جو حدیث پاک میں بیان کی گئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لَيَجِيْئَنَّ اَقْوَامٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ اَعْمَالُهُمْ كَجِبَالِ تِهَامَةَ فَيُؤْمَرُبِهِمِ النَّارَ

قیامت کے دن کچھ لوگ ہوں گے جو اتنی نیکیاں لے کر آئیں گے کہ تہامہ پہاڑ کے برابر ان کی نیکیاں ہوں گی۔ اور حکم ہوگا ان کو جہنم میں ڈال دیا جائے۔

قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُصَلِّيْنَ؟

اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ نمازی ہوں گے؟

قَالَ نَعَمْ! كَانُوْا يُصَلُّوْنَ وَ يَصُوْمُوْنَ وَ يَأْخُذُوْنَ هَنَةً مِنَ اللَّيْلِ

فرمایا: ہاں! نمازیں بھی پڑھیں گے، روزے بھی رکھیں گے، اور رات کی عبادتیں بھی کریں گے۔

فَاِذَا عَرَضَ لَهُمْ شَیْءٌ مِنَ الدُّنْيَا وَثَبُوْا عَلَيْهِ

(معجم ابن الاعرابی:۳/۸۹۳)

''لیکن جب ان کی سامنے دنیا پیش ہوگی تو وہ کود کر دنیا کو حاصل کرنے والے ہوں گے''

نمازیں بھی پڑھتے ہیں، تہجد بھی پڑھتے ہیں اور جب دنیا کا وقت آتا ہے تو حلال اور حرام کی تمیز ہی نہیں ہوتی۔ کوئی خیال نہیں ہوتا کہ میں ٹھیک حاصل کر رہا ہوں یا غلط حاصل کر رہا ہوں۔ اس کے پیچھے بھاگ پڑتے ہیں۔ فرمایا: ایسے لوگ اگر پہاڑوں کے برابر بھی نیکیاں لے کر آئیں گے تو ان لوگوں کو دنیا کی محبت کی وجہ سے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

دنیا اور اس کے پیچھے لگنے والوں کا انجام:

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

يُؤْتٰی بِالدُّنْيَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِیْ صُوْرَةِ عَجُوْزٍ شَمْطَاءَ زَرْقَاءَ اَنْيَابُهَا بَادِيَةٌ مَشَوَّهَةٌ خَلْقَتُهَا فَتَشْرِفُ عَلَی الْخَلَائِقِ

قیامت کے دن دنیا کو ایک بڑھیا کی حالت میں پیش کیا جائے گا، جس کے بال بکھرے ہوئے ہوں گے، اس کی آنکھیں نیلی ہوں گی، اس کے اگلے دانت باہر نکلے ہوئے ہوں گے، بدشکل اس کی صورت ہوگی، اور اسے مخلوق کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

فَيُقَالُ: اَتَعْرِفُوْنَ هٰذِهٖ ؟

پوچھا جائے گا: تم پہچانتے ہو اس کو؟

فَيَقُوْلُوْنَ: نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ مَعْرِفَةِ هٰذِهٖ

''لوگ کہیں گے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ اس کو پہچانیں کہ یہ بد بخت کون ہے!

فَيُقَالُ: هٰذِهِ الدُّنْيَا الَّتِيْ تَشَاجَرْتُمْ عَلَيْهَا ، بِهَا قَطَعْتُمُ الْاَرْحَامَ وَ بِهَا تَحَاسَدْتُمْ وَ تَبَاغَضْتُمْ وَاغْتَرَرْتُمْ ثُمَّ تُقْذَفُ فِيْ جَهَنَّمَ

یہ وہ دنیا ہے جس کی وجہ سے تم آپس میں لڑتے تھے، اسی کی وجہ سے تم رشتہ داریوں کو توڑتے تھے اور تم اسی کی وجہ سے حسد کرتے تھے، ایک دوسرے سے بغض رکھتے تھے اور تم دھوکے کھاتے تھے۔ پھر اس دنیا کو جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔

فَتُنَادِی أی رَبِّ اَيْنَ اَتْبَاعِیْ وَ اَشْيَاعِیْ

(جب دنیا کو جہنم میں پھینکیں گے تو) دنیا پکارے گی، اللہ! مجھ سے محبت کرنے والے، میرے پیچھے چلنے والے میرے پیروکار کہاں ہیں؟

فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی: اَلْحِقُوْا بِهَا اَتْبَاعَهَا وَ اَشْيَاعَهَا

(التذکرة للقرطبی: ۱/ ۴۲۸)

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہاں! اس کے پیچھے چلنے والوں اور اس سے محبت کرنے والوں کو بھی جہنم میں اکٹھا کر دو۔

کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ)) (الادب المفرد: ۱۲۹)

”بندہ اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی‘

اللہ تعالیٰ کا دنیا کو پیغام:

جس کو اللہ اور رسول سے محبت ہوگی وہ جنت میں ہوں گے اور جن کو دنیا سے محبت ہوگی وہ جہنم میں جائیں گے۔سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے ابوحازم رحمۃ اللہ علیہ سے سنا، وہ فرماتے تھے: اللہ تعالیٰ نے دنیا کی طرف یہ پیغام بھیجا:

مَنْ خَدَمَكِ فَاتْعَبِيْهِ وَ مَنْ خَدَمَنِىْ فَاخْدِمِيْهِ

”جو تیری خدمت کرے گا میں اسے عذاب دوں گا اور جو میری خدمت کرے گا، میں تجھے اس کا خادم بنا دوں گا۔“

لہٰذا جو اللہ کی خدمت کرے گا دنیا اس کی خادمہ بنے گی اور اگر وہ دنیا کی خدمت کرے گا تو اللہ اسے عذاب دے گا۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا نوجوانوں پیغام:

حسن رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ عَلَيْكُمْ بِالْآخِرَةِ فَاطْلُبُوْهَا فَكَثِيْرًا رَاَيْنَا مَنْ طَلَبَ الْآخِرَةَ فَاَدْرَكَهَا مَعَ الدُّنْيَا وَ مَا رَاَيْنَا اَحَدًا طَلَبَ الدُّنْيَا فَاَدْرَكَ الْآخِرَةَ مَعَ الدُّنْيَا

”اے نوجوانوں! آخرت کی تیاری لازم کرلو اور اس کو حاصل کرو۔اس لیے کہ ہم نے دیکھا ہے کہ اتنے لوگ جو آخرت کو طلب کرتے تھے ان کو دنیا ساتھ اللہ نے دے دی۔ایک بھی بندہ ایسا نہیں دیکھا کہ وہ دنیا کا طلب گار ہو اور اللہ تعالیٰ اسے آخرت مفت میں عطا کر دے۔“

نبی علیہ السلام نے اپنے لیے فقر کو پسند کیا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی فقر کی حالت میں گزری۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر اختیاری تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ رَبِّیْ عَزَّ وَ جَلَّ عَرَضَ عَلَیَّ اَنْ یَجْعَلَ لِیْ بَطْحَاءَ مَکَّۃَ ذَھَبًا فَقُلْتُ لَا یَا رَبِّ وَ لٰکِنْ اَجُوْعُ یَوْمًا وَ اَشْبَعُ یَوْمًا فَاَمَّا الْیَوْمُ الَّذِیْ اَجُوْعُ فِیْهِ فَاَتَضَرَّعُ اِلَیْكَ اَدْعُوْكَ وَ اَمَّا الْیَوْمَ الَّذِیْ اَشْبَعُ فِیْهِ فَاَحْمَدُكَ وَ اُثْنِیْ عَلَیْكَ (کنز العمال:۶۱۵۱)

کہ اللہ رب العزت نے مجھ پر یہ بات پیش کی کہ اگر آپ چاہیں تو ہم وادی بطحا کے یہ پہاڑ آپ کے لیے سونے کے بنا دیں۔ میں نے کہا: اے اللہ! نہیں (یہ سونے کا پہاڑ نہیں چاہیے) بلکہ میں چاہتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں۔ اے اللہ! جس دن میں بھوکا رہوں اس دن میں آپ کے سامنے گڑگڑا کر دعائیں مانگوں۔ اور جس دن میں پیٹ بھر کر کھاؤں اس دن میں تیرا شکر ادا کروں اور تیری تعریفیں کروں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

لَقَدْ مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ مَا شَبِعَ مِنْ خُبْزٍ وَّ زَیْتٍ فِیْ یَوْمٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَیْنِ (صحیح مسلم:۵۲۸۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی مگر آپ نے ایک دن میں روٹی اور زیتون کے ساتھ دو مرتبہ اپنے پیٹ کو کبھی نہیں بھرا تھا۔

ایک دن ملتا تھا تو ایک دن فاقہ اور اگر ملتا تھا تو دن میں ایک ہی مرتبہ ملتا تھا دوسری مرتبہ کھانا نہیں ملتا تھا۔ چوبیس گھنٹے میں ایک دفعہ کھانا۔

اللہ اکبر کبیرا!۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

جَلَسْتُ اَبْکِی عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا یُبْکِیْكِ اِنْ کُنْتِ تُرِیْدِیْنَ اللُّحُوْقَ بِیْ فَکَیُفَكِ مِنَ الدُّنْیَا مِثْلُ زَادِ الرَّاکِبِ وَ لَا تُخَالِطِیْنَ الْاَغْنِیَاءَ (کنز العمال:۸۵۹۸)

”میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھی اور میں رو رہی تھی۔تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ کیوں رو رہی ہو؟ اگر تو قیامت کے دن جنت میں میرے ساتھ اکٹھا ہونا چاہتی ہے تو پھر دنیا سے اتنا ہی لے جتنا ایک مسافر سوار لیا کرتا ہے۔اور امیروں کے ساتھ گھول میل پیدا نہ کرنا“

ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نہ کرنا۔اس لیے کہ اس سے دلوں کے اندر غفلت آ جاتی ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحاً جَمِیْلاًo وَاِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾ (الاحزاب:۲۸،۲۹)

دنیا کی لذت آخرت کی کڑواہٹ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے:

حَلَاوَةُ الدُّنْیَا مُرَارَةُ الْاٰخِرَةِ وَ مُرَارَةُ الدُّنْیَا حَلَاوَةُ الْاٰخِرَةِ

”دنیا کی لذتیں آخرت کی کڑواہٹ ہے اور دنیا کی کڑواہٹ آخرت کی

مٹھاس ہے۔''

یعنی جس میں مشقت آتی ہے، تکلیف آتی ہے، بیماری آتی ہے، غم آتا ہے، یہ دنیا کی کڑواہٹ ہے مگر آخرت کی مٹھاس ہے۔ اور دنیا میں جتنی مٹھاس ہے: کھایا، پیا، مزے کیے، بیوی بچوں کے ساتھ خوب موج میلے میں رہے، جتنی مٹھاس یہاں کی چکھی اتنی کڑواہٹ آخرت کی پانی پڑے گی۔

دنیا چھوٹ ہی جانی ہے:

یحیٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا عجیب بات کہی! فرماتے ہیں:

مَنْ لَّمْ یَتْرُكِ الدُّنْیَا اِخْتِیَارًا تَتْرُكُهُ الدُّنْیَا اِضْطِرَارًا وَ مَنْ لَّمْ یَزَلْ عَنْهُ نِعْمَتُهٗ فِیْ حِیَاتِهٖ زَالَ عَنْهُ نِعْمَتُهٗ بَعْدَ وَفَاتِهٖ

(شعب الایمان، البیهقی:۱۰۷۹۳)

''جو دنیا کو اپنے اختیار سے نہیں چھوڑتا تو دنیا اس کو اضطرار کی حالت میں چھوڑ دیتی ہے۔''

اور جس سے نعمتیں زندگی میں زائل نہیں ہوتیں موت کے بعد اس سے بھی زائل ہو ہی جاتی ہیں۔

واقعی جو اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرنے والے ہوں آپ دیکھیں کہ ان کا مال کیسے ضائع ہوتا ہے؟ یا تو کاروبار میں بلاک ہو گیا، یا کہیں کنٹینر پھنس گیا...... مال واپس نہیں ملتا۔ کسی بندے نے ادھار لے لیا...... اب وہ واپس نہیں کرتا۔ یا کوئی وقت کا حاکم تھا...... اس نے اس کے سب مال کو غصب کر لیا۔ تو کوئی نہ کوئی ایسی صورت بنتی ہے کہ مال ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ تو جو اختیار سے دنیا کو دین پر خرچ نہیں کرتا اللہ اضطرار سے دنیا کو ہٹا لیتے ہیں۔

وَ مَنْ لَمْ يَزَلْ عَنْهُ نِعْمَتُهُ فِي حَيَاتِهِ زَالَ عَنْهُ نِعْمَتُهُ بَعْدَ وَفَاتِهِ

''اور جس سے دنیا کی زندگی میں نعمت زائل نہ ہو وفات کے بعد پھر اس سے نعمت زائل ہو ہی جاتی ہے'' (شعب الایمان، البیہقی:۱۰۷۹۳)

ناآسودہ تمناؤں پر اجر:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال پوچھا گیا:

''اَشْيَاءٌ نَشْتَهِيْهَا لَا نَقْدِرُ عَلَيْهَا هَلْ لَنَا فِيْهَا اَجْرٌ''

اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! چیزیں ہوتی ہیں دل میں بڑی تمنا ہوتی ہے کہ ہمارے پاس ہوتیں۔ ایسا گھر ہوتا، ایسی گاڑی ہوتی، یہ فلاں ہوتا اور یہ کھانا پینا ہوتا۔ کیا اس تمنا کے دل میں پیدا ہونے پر بھی ہمیں اجر ملے گا؟

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((قَالَ: فَفِيْمَ تُؤْجَرُوْنَ اِذَا لَمْ تُؤْجَرُوْا عَلٰى ذٰلِكَ))

(کنز العمال:۱۶۶۵۶)

''اگر تمہیں اس پر اجر نہیں ملے تو اجر ملے گا کس بات پر''

تو بندے کی اگر کوئی تمنا دنیا میں نہیں پوری ہو پاتی تو فرمایا کہ اسے بندے کے لیے لکھ دیا جاتا ہے کہ آخرت میں اسے اس کا اجر دیا جائے گا۔

دنیا کی فکر، فکرِ آخرت کو نکال دیتی ہے:

مالک ابن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

بِقَدْرِ مَا تَحْزَنُ لِلدُّنْيَا يَخْرُجُ هَمُّ الْآخِرَةِ مِنْ قَلْبِكَ

''جتنا تم دنیا کے لیے فکر مند ہوتے ہو اتنا آخرت کی فکر تمہارے دلوں سے

نکال دی جاتی ہے۔''

وَ بِقَدْرِ مَا تَحْزُنُ لِلْآخِرَةِ يَخْرُجُ هَمُّ الدُّنْيَا مِنْ قَلْبِكَ

''اور جتنا تم آخرت کے لئے فکر مند ہوتے ہوا تنا دنیا کے غم اللہ تمہارے دلوں سے نکال دیتا ہے۔'' (احیاء علوم الدین:۳/ ۲۰۸)

اس لیے حدیث پاک میں آیا:

((مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ هَمًّا وَّ احِدًا هَمَّ آخِرَتِهٖ كَفَاهُ اللّٰهُ دُنْيَاه))

''جو اپنے تمام غموں کو ایک غم بنالیتا ہے، آخرت کا غم تو اللہ دنیا کے تمام غموں کے لیے اس کو کافی ہو جاتے ہیں'' (سنن ابن ماجه:۸۵۹۸)

تو ہمیں دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی تیاری، آخرت کی فکر کرنی چاہیے اور اس کے لیے محنت کرنی چاہیے۔

دنیا ایک نعمت بھی ہے:

ایک بزرگ فرماتے تھے:

نِعْمَتِ الدَّارُ الدُّنْيَا كَانَتْ لِمُوْمِنِ اَنَّهُ عَمِلَ قَلِيْلًا وَّ اَخَذَ زَادَهٗ مِنْهَا اِلَى الْجَنَّةِ

''دنیا کا گھر مومن کے لیے ایک نعمت ہے کہ اس میں وہ تھوڑا سا عمل کرتا ہے اور اس سے جنت کما کر لے جاتا ہے''

یہ نہیں کہ صرف دنیا کی مذمت ہی کرتے رہو کہ یہ تو بس...... بری ہے...... بری ہے...... بری ہے۔ نہیں، اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ دنیا کا گھر کتنا اعلیٰ ہے کہ جس میں رہتے ہوئے انسان جنت کو کما سکتا ہے۔ یہ بھی تو سوچ کا ایک انداز ہے۔ کہ عمل تو اس نے تھوڑا کیا مگر یہاں سے اس نے سامانِ سفر لیا جس کی وجہ سے اس کو جنت عطا

کر دی گئی۔ مزید فرمایا:

وَ بِئْسَتِ الدَّارُ كَانَتْ لِلْكَافِرِ اَنْ ضَيَّعَ لَيَالِيَهٖ وَ كَانَ زَادُهٗ مِنْهَا اِلَى النَّارِ

اور کافر کے لیے یہ دنیا کا گھر کتنا برا ہے کہ اس نے دنیا میں اپنے دن رات کو ضائع کر دیا (عیاشی میں) اور پھر یہاں سے جہنم کما کر آگے چلا گیا۔

تو مومن کے لیے دنیا کا گھر نعمت ہے اور کافر کے لیے یہ دنیا کا گھر عذاب ہے۔

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كَيْفَ لَا اُحِبُّ الدُّنْيَا قُدِّرَ لِيْ مِنْهَا قُوْتٌ اَكْتَسِبُ بِهَا حَيَاةً اُدْرِكُ طَاعَةً اَنَالَ بِهَا الْاٰخِرَةَ

''میں دنیا کی زندگی سے محبت کیسے نہ کروں کہ میرے لیے اس میں روزی لکھی گئی اس سے مجھے زندگی ملی، پھر میں اس سے نیک اعمال کرتا ہوں تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے آخرت عطا فرما دیتے ہیں''

تو قدر کرنے والا بندہ ہو تو یہ دنیا کی زندگی اس کے لیے بہت قدر کی چیز ہے۔

دنیا دار کون ہے؟

اس لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

اِنَّ رَجُلًا اَخَذَ جَمِيْعَ مَا فِى الْاَرْضِ وَ أَرَادَ بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِرَاغِبٍ (میزان العمل:۱/۵۹)

''اگر کسی بندے کے پاس پوری دنیا کا مال اکٹھا ہو جائے اور اس کا مقصد اس مال سے اللہ کی رضا ہو، اس بندے کو دنیا دار نہیں کہیں گے۔''

تو دنیا دار کی (Definition) تعریف سمجھنی چاہیے کہ دنیا دار کا مطلب یہ کہ جو

یہاں کی چمک دمک کے اندر گم ہو کر اللہ کو بھول جائے، وہ دنیا دار ہے۔ ورنہ تو پوری دنیا کے خزانے اگر کسی کے پاس آجائیں اور وہ ان کو اللہ کے لیے استعمال کرے، دین کے لیے استعمال کرے، فرمایا کہ فَلَيْسَ بِرَاغِبٍ وہ دنیا سے محبت کرنے والا نہیں کہلاتا، وہ اللہ سے محبت کرنے والا کہلاتا ہے۔

مال اللہ کے لیے ہو تو یہ دنیا نہیں:

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ اللہ رب العزت نے ان کو اتنا مال دیا تھا کہ قالین بچھے ہوتے تھے، حتٰی کہ ان کے گھوڑے سونے اور چاندی کی میخوں کے ساتھ باندھے جاتے تھے۔ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے سنا کہ وہ بڑے بزرگ ہیں، باخدا ہیں۔ لہٰذا ان کو ملنے کے لیے گئے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ یہاں تو دنیا کی ریل پیل ہے...... ان کا دل حضرت کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ انہوں نے کہا: ع

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد

"وہ مردِ خدا نہیں ہوتا جو دنیا سے محبت کرنے والا ہو"

یہ کہتے ہوئے وہیں سے واپس آگئے۔ راستے میں تھکے ہوئے تھے، ایک جگہ سو گئے۔ انہوں نے خواب دیکھا کہ قیامت کا دن ہے اور کتنے لوگ ہیں جو حق مانگنے کے لیے مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اور وہ اتنے ہیں کہ اگر زندگی کی ساری نیکیاں دے دیتے تو بھی پوری نہ ہوتیں۔ تو ان پر بڑی گھبراہٹ تھی...... دہشت تھی...... پسینہ تھا۔ اتنے میں دیکھتے ہیں کہ خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ گھوڑے پر سوار ہیں، ان کے پیچھے لاکھوں لوگ ہیں جو ان کے مرید ہیں اور جا رہے ہیں۔ جب ان کے قریب سے گزرے تو خواجہ عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہو گئے، فرمایا کہ یہ کیوں

پریشان ہیں؟ بتایا گیا کہ جی حق والے حق مانگتے ہیں اوران کے پاس کچھ ہے نہیں۔ فرمانے لگے: بھئی! ہماری نیکیوں میں سے ان کو Pay (ادائیگی) کردو۔ چنانچہ ان کی نیکیوں میں سے دے دیا گیا تو مولانا کی آنکھ کھل گئی۔ مولانا سمجھ گئے کہ نہیں! بات ایسی نہیں جو میں نے سمجھی، مجھے ملنے کےلیے دوبارہ جانا چاہیے۔ جب دوبارہ گئے اور جا کر حضرت سے مصافحہ کیا تو اللہ نے ان کو کشفاً یہ پہلے جو کہہ کر گئے تھے پتہ کروادیا۔ تو خواجہ عبیداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا کہ مولانا! جب پہلی بار آئے تھے تو کیا کہہ کر گئے تھے؟ انہوں نے بتانے میں پس وپیش کیا۔ حضرت نے پھر کہا: بھئی! بتائیں نا کہ آئے تھے تو کیا کہہ کر گئے تھے؟ حضرت! میں کہہ کر گیا تھا:

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد

وہ مرد نہیں ہوتا جو دنیا کو دوست بنائے

حضرت نے شعر مکمل کر دیا:

گر دارد برائے دوست دارد

''اگر دنیا ہو تو دوست (اللہ تعالیٰ) کے لیے ہو''

اگر مال ہو تو اللہ کے لیے ہو دنیا کی چمک دمک کے لیے نہ ہو، یہ تو دنیا داری نہیں ہے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دیکھیے! اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت مال عطا فرمایا تھا مگر اتنا اللہ کے راستے میں خرچ ہوتا تھا کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے دعائیں نکلتی تھیں۔ چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے اتنا مال پیش کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یَا رَحْمٰنُ سَھِّلِ الْحِسَابَ عَلَی الْعُثْمَانْ

''اے رحمان! تو قیامت کے دن عثمان رضی اللہ عنہ کے حساب کو آسان فرمادے''

پرہیزگار بادشاہ:

اس دنیا میں کئی ایسے لوگ گزرے ہیں۔ایک واقعہ سن لیجیے! قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگ گزرے ہیں۔دہلی میں قطب مینار ان کے نام سے بنا اور اس کے قریب ہی وہ آرام فرما رہے ہیں۔یہ مغل بادشاہوں کے پیر تھے۔اب وقت کا بادشاہ بھی اگر مرید ہوتو پھر عوام الناس کا کیا کہنا۔جب ان کی وفات ہوئی تو ان کا جنازہ ایک بڑے گراؤنڈ میں رکھا گیا اور جنازے میں شرکت کے لیے لاکھوں لوگ آئے ہوئے تھے۔جب جنازہ پڑھنے کا وقت آیا تو ایک آدمی آگے بڑھا اور اس نے کہا کہ مجھے حضرت نے یہ وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ وہ شخص پڑھائے جس کے اندر چار خوبیاں ہوں۔

پہلی خوبی کہ جس کی فرض نماز کی تکبیرِ اولیٰ کبھی بھی قضا نہ ہوئی ہو۔تکبیرِ اولیٰ کہتے ہیں: امام شروع میں جب اللہ اکبر تحریمہ کہتا ہے تو وہ اس کے ساتھ تحریمہ کہہ کر نماز میں شامل ہوجائے۔تو یہ تکبیر اولیٰ کبھی بھی قضا نہ ہوئی ہو۔اللہ اکبر!

دوسری خوبی کہ جس کی تہجد کی نماز بھی کبھی قضا نہ ہوئی ہو۔

تیسری خوبی کہ اتنا پاکباز ہو کہ اس کی غیر محرم پر کبھی بھی ہوس کی نظر نہ پڑی ہو۔

اور چوتھی خوبی کہ وہ اتنا عبادت گزار ہو کہ اس نے اپنی عصر کی چار سنتیں جو سنت غیر مؤکدہ ہیں وہ بھی کبھی نہ چھوڑی ہوں۔

جب یہ اعلان سن لیا گیا تو مجمع کو سانپ سونگھ گیا۔ (Pin Drop silence) خاموشی چھا گئی۔کس کی جرت تھی کہ وہ دم مار سکے کہ میرے اندر یہ چاروں خوبیاں موجود ہیں۔لوگ حیران تھے، مجمع پریشان تھا کہ کون یہ جنازہ پڑھائے گا؟ کافی دیر خاموشی رہی بلآخر ایک شخص آگے بڑھا اور وہ زاروقطار رو رہا تھا۔وہ

حضرت کی میت کی پاس آیا اور آ کر اس نے کفن کا کپڑہ اتار کر یہ کہا کہ حضرت! آپ تو پردہ فرما گئے لیکن آپ نے مجھے رسوا کر دیا، میرا راز کھول دیا۔ پھر اس کے بعد اس نے پورے مجمع کے سامنے قسم کھا کر کہا کہ میں اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ یہ چاروں خوبیاں میرے اندر موجود ہیں۔ اور اس نے حضرت کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ لوگوں نے دیکھا کہ یہ وقت کا بادشاہ التمش تھا۔

وقت کا بادشاہ بھی ہو اور پھر زندگی ایسی ہو کہ تکبیر اولیٰ قضا نہ ہوئی ہو، تہجد قضا نہ ہوئی ہو، غیر محرم پر نظر کبھی نہ پڑی ہو، کیا خوش نصیبی کی بات ہے؟ تو فقط مال ہونا اس کو دنیا داری نہیں کہتے، دنیا کی چمک دمک میں اتنا گم ہو جانا کہ انسان اللہ کے احکام کو بھول جائے، شریعت کو بھول جائے اس کو دنیا کہتے ہیں۔

دنیا حصولِ آخرت کا ذریعہ ہے:

حدیث مبارکہ میں ہے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((لَيْسَ بِخَيْرِكُمْ مَنْ تَرَكَ الدُّنْيَا لِآخِرَتِهٖ وَ لَا آخِرَتَهُ لِدُنْيَاهُ حَتّٰى يُصِيْبَ مِنْهُمَا جَمِيْعًا ـ فَإِنَّ الدُّنْيَا بَلَاغُ الْآخِرَةِ))

(الاناقة فيما جاء في الصديقة و الضيافة:۸)

اس میں کوئی خیر نہیں کہ تم میں سے کوئی آخرت کے لیے اپنی دنیا کو ترک کر دے اور جو اپنی آخرت کو دنیا کے لیے ترک کر دے، اس میں بھی کوئی خیر نہیں۔ دنیا تو آخرت کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے تم دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کو حاصل کرو۔

آگے فرمایا:

((وَ لَا تَكُوْنُوْا كَلًّا عَلَى النَّاسِ))

''اور لوگوں کے اوپر بوجھ بن کر نہ رہو''

یعنی اللہ کے حبیب ﷺ یہ فرما رہے ہیں کہ اپنے لیے رزق حلال کی کوشش کرو، محنت کرو، لوگوں پر بوجھ بن کر نہ رہو۔ اس لیے رزق حلال انسان کے لیے عبادت ہے۔ اب کوئی کہہ دے جی مجھے تو کمانے کی ضرورت نہیں، بس اللہ مجھے کھلا دے گا تو یہ درست بات نہیں......لوگوں پر بوجھ بن کر نہ رہو۔

مال کماؤ اپنا دین بچانے کے لیے:

ابوداؤد شریف کی ایک روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا:

مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَقِيَ دِيْنَهٗ وَ عِرْضَهٗ بِمَالِهٖ فَلْيَفْعَل

(المستدرك على الصحيحين للحاكم:۲،۲۳۱۲/۵۸)

''تم میں سے جو کوئی اپنے دین کو، اپنی عزت کو مال کے ذریعہ سے بچانا چاہتا ہو اسے چاہیے کہ وہ مال کمائے۔''

دین ہمیں عزت کی زندگی گزارنا سکھاتا ہے۔ کیوں دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے؟ کیوں دوسروں کے دروازے پر چکر لگاتا ہے؟ کیوں دوسروں کے سامنے بھیگ مانگتا ہے؟ اس لیے فرمایا کہ تم میں سے جو بندہ مال کے ذریعہ اپنے دین کو بچا سکتا ہے اسے چاہیے کہ ایسا کر لے کیونکہ اگر کچھ ہاتھ میں نہیں ہوگا کہ تو پھر تو دین کو ایک طرف رکھ کر دنیا داروں کی خوشامدیں کرنی پڑیں گی۔

مال ایمان کے لیے ڈھال:

طبرانی شریف کی روایت سن لیجیے، نبی علیہ السلام نے فرمایا:

اِذَا كَانَ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ لَا بُدَّ لِلنَّاسِ فِيْهَا مِنَ الدَّرَاهِمِ وَ

الدَّنَانِيرِ يُقِيمُ الرَّجُلُ بِهَا دِينَهُ وَ دُنْيَاهُ (المعجم الكبير:۲۰/۲۷۹)

''آخری زمانے میں ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ لوگوں کو درہم اور دینار چاہیے ہوں گے، جس سے کہ وہ سیدھا کرلیں اپنے دین کو اور اپنی دنیا کو۔''

تو آج وہ وقت آگیا ہے۔ چنانچہ ہمارے مشائخ نے کہا کہ آج کے دور میں مال انسان کے ایمان کے لیے ڈھال ہے۔ مگر یہ مال ایسا نہ ہو جو حرام طریقہ سے کمایا گیا ہو۔ جو حلال ذریعہ سے کمایا ہو وہ انسان کے اعمال کے ذریعہ ڈھال ہے۔ جس بندے کے پاس مال نہیں، اس کے لیے فرمایا:

((كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا))(شعب الایمان۔البیهقی:۵/۲۶۷)

''قریب ہے کہ تنگ دستی تجھے کفر تک پہنچا دے''

ہم نے دیکھا ہے کہ جب کھانے کو کچھ نہیں ہوتا، فاقہ ہوتا ہے، قرضہ لینے والے تنگ کرتے ہیں۔ تو پھر انسان اپنی زبان سے کفریہ کلمے بولنے لگتا ہے۔ تو بندے کا دین بھی چلا جاتا ہے۔ یہی بات حدیث مبارکہ میں بتا دی گئی۔

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان دنیا میں محنت کرے، رزقِ حلال کمائے، عزت بھی بچائے، دین بھی بچائے اور کسی کے اوپر بوجھ بن کر نہ رہے۔ خوش نصیبی ہے اس انسان کی کہ جو دنیا میں رہتے ہوئے گناہوں سے بچے۔ اور اپنی آخرت کو سنوارے۔

گناہ سے خالی دن......عید کا دن:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

اَلْيَوْمُ لَنَا عِيْدٌ ، وَ غَدًا لَنَا عِيْدٌ ، وَ بَعْدَ غَدٍ لَنَا عِيْدٌ ، وَ كُلُّ يَوْمٍ لَا نَعْصِيْ اللّٰهَ فَهُوَ لَنَا عِيْدٌ

آج کا دن ہمارے لیے عید ہے۔

کل کا دن بھی ہمارے لیے عید ہے۔

اور پرسوں بھی ہمارے لیے عید ہے۔

اور ہر وہ دن جس میں ہم اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے وہ دن ہمارے لیے عید کی مانند ہے۔

انسان کی زندگی کا اصل مقصد یہ کہ نافرمانی سے بچے اور فرمانبرداری کی زندگی گزارے۔

کافر کے مزے دنیا میں، مومن کے آخرت میں:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مرتبہ آرام فرما رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو دیکھا کہ نبی علیہ السلام کے پہلو مبارک کے اوپر چٹائی کے نشان پڑے ہوئے ہیں۔

عمر رضی اللہ عنہ آئے، کہنے لگے: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم!

اِنَّ كِسْرٰى وَ قَيْصَرَ وَ هُمَا عَدُوٌّ اللّٰهَ يَفْتَرِشَانِ الدِّيْبَاجَ وَ اَنْتَ نَبِيُّ اللّٰهِ وَ صَفِيُّهٗ تَنَامُ حَتّٰى يُؤَثِّرَ فِيْ جَنْبِكَ الْحَصِيْرُ۔

کسریٰ اور قیصر اللہ کے دشمن ہیں، یہ ریشم کے بستروں پر سوتے ہیں، آپ اللہ کے نبی ہیں اور اللہ کے پسندیدہ چنے ہوئے ہیں، آپ اس طرح سوتے ہیں کہ آپ کے بدن کے اوپر چٹائی کے نشان ہیں۔

فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَبَانَ فِيْ وَجْهِهِ الْغَضَبُ وَ قَالَ

نبی علیہ السلام غصے ہوئے آپ کے چہرۂ انور کے اوپر غصے کے آثار ظاہر ہونے لگے اور فرمایا:

عَجَبًا يَا عُمَرُ۔ اُولٰٓئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِيْ حَيَاتِهِمِ الدُّنْيَا وَ نَحْنُ قَوْمٌ اُخِّرَتْ لَنَا طَيِّبَاتُنَا فِي الْاٰخِرَةِ (طبرانی)

یہ کفار وہ قوم ہیں کہ اللہ نے ان کو جو کچھ دینا تھا سب کچھ اسی دنیا میں عطا کر دیا۔ ہم وہ لوگ ہیں کہ ہماری طیبات کو اللہ نے آخرت کے اندر موقوف فرما دیا۔

دل ہلانے والی بات:

مگر اس کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو بات کی وہ بہت زیادہ ڈرانے والی اور دل ہلا دینے والی ہے۔ یعنی اس حدیثِ مبارکہ کو بندہ پڑھتا ہے تو خوفزدہ ہوتا ہے، اتنی عجیب بات کہی اور یہ بات اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کی سچی زبان سے نکل رہی ہے۔ جن کی صداقت کی گواہیاں قرآن دے رہا ہے۔ اس ایک بات کی خاطر آج کا پورا مضمون بنایا گیا۔ وہ بات کیا فرمائی؟ سنیے! نبی علیہ السلام نے کیا فرمایا؟

وَ كَيْفَ اَنْعِمُ وَ صَاحِبُ الْقَرْنِ قَدِ الْتَقَمَ الْقَرْنَ وَ حَنَى جَبْهَتَهٗ وَ اَصْغٰى بِسَمْعِهٖ يَنْتَظِرُ مَتٰى يُؤْمَرُ

(المستدرك على الصحيحين للحاكم:۴/۶۰۳)

عمر! میں دنیا میں مزے کیسے لے سکتا ہوں؟ جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ سور بجانے والے فرشتے نے سور کو اپنے منہ سے لگا لیا اور حکم سننے کے لیے اس کے کان متوجہ ہو چکے، ایسی صورت میں میں دنیا میں کیسے مزے لے سکتا ہوں؟

یہ چودہ سو سال پہلے کی بات ہے، جب اللہ کے حبیب ﷺ فرما رہے ہیں کہ قیامت اتنی قریب ہے کہ اسرافیل علیہ السلام نے سور جس کے پھونکنے سے قیامت قائم ہو گی، اسکو منہ سے لگا لیا اور اس کی پیشانی جھک گئی اور کان حکم سننے کے لیے کھڑے ہو گئے کہ کب اللہ کا حکم آتا ہے، سور پھونک دو دنیا کو ختم کر دو! میں جب دیکھ رہا ہوں کہ فرشتے کا یہ حال ہے، میں دنیا کے اندر مزے کیسے لے سکتا ہوں۔

اللہ رب العزت ہمیں اس زندگی کے مقصد کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔

دفعتاً سر پر جو آ پہنچے اجل
پھر کہاں تو اور کہاں دارالعمل
ہاتھ سے جائیگا یہ موقع نکل
باز آ ہاں باز آ ، اے بے عمل
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ (الحشر:۱۸)

بیان: محبوب العلماء والصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: ۱۵ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ بروز جمعہ، مطابق 9 مارچ 2012ء

موقع: خطبہ جمعۃ المبارک

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

اقتباس

دو بندے کاروبار میں ایک دوسرے کے پارٹنر ہوں اور ان میں سے ایک بندہ بڑا ہی کنجوس ہو اور ایک ایک پائی کا حساب رکھتا ہو، جیسے وہ اپنے شریک سے ایک ایک پائی کا حساب لیتا ہے، تم اپنے نفس سے ایسے ہی حساب لیا کرو! لہٰذا کہا جاسکتا ہے نفس ایک خیانت کرنے والے شریک کے مانند ہے۔ اگر تم اس پر نظر نہیں رکھو گے تو وہ تمہارا مال لے کر چلا جائے گا۔ انسان اپنے نفس کو پالنے میں مشغول ہوتا ہے اور نفس انسان کو جہنم میں دکھا دینے میں مشغول ہوتا ہے۔ تو ہے یہ ہمارا نفس، مگر دشمن بھی یہ ہمارا ہی ہے، کیونکہ یہ ہمیں گناہ کے اوپر آمادہ کر لیتا ہے، تو جو گناہ پر آمادہ کرے وہ دشمن ہی ہوتا ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

محاسبۂ نفس

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾
(الحشر:۱۸)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم:
﴿اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ﴾
(الترمذی، رقم:۲۳۸۳)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

قرآن مجید میں محاسبۂ نفس کا حکم:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:
﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾
''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو! اور تم میں سے ہر جی یہ دیکھے کہ وہ اپنے لیے آگے کیا بھیج رہا ہے''

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا:
حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا وَانْظُرُوْا مَاذَا ادَّخَرْتُمْ

لِأَنْفُسِكُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ لِيَوْمِ مَعَادِكُمْ وَعَرْضِكُمْ عَلٰى رَبِّكُمْ'' (تفسیر ابن کثیر:۸/۷۷)

''تم اپنا حساب ہونے سے پہلے، خود اپنا محاسبہ کرلو۔ (خود اپنا جائزہ لے لو کہ میں کتنے پانی میں ہوں) اور سوچو کہ تم نے اپنے لیے کیا ذخیرہ کر رکھا ہے اور قیامت کے دن تم اپنے پروردگار کے سامنے کیا پیش کرو گے؟

محاسبہ واجب ہے:

العز بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى وُجُوْبِ مُحَاسَبَةِ النَّفْسِ فِيمَا سَلَفَ مِنَ الْأَعْمَالِ وَفِيمَا يَسْتَقْبِلُ مِنْهَا

''اس پر علما کا اجماع ہے کہ انسان جو اعمال کر چکا ہے یا آئندہ کرے گا، ان کے بارے میں اپنا محاسبہ کرنا اس کے اوپر واجب ہوتا ہے۔''

انٹرنل آڈٹ کی مثال:

اس کی مثال یوں سمجھیں: آج کے زمانے میں کوئی بھی کارخانہ ہو، اس میں سال کے بعد ایک آڈٹ ہوتا ہے۔ باہر سے ایک کمپنی آتی ہے اور وہ آکر ان کے پورے اکاؤنٹ کو چیک کرتی ہے۔ کہاں سے آیا؟ کہاں پہ لگایا؟ یہ سارا کچھ ایک باہر سے آڈٹ ٹیم آکر چیک کرتی ہے۔ جب آڈٹ کا وقت آتا ہے تو اس سے دو مہینے پہلے ایک انٹرنل آڈٹ ہوتا ہے۔ انٹرنل آڈٹ کا مطلب یہ ہے کہ اکاؤنٹ برانچ کے جو لوگ ہوتے ہیں وہ اپنے حساب کتاب کا جائزہ خود لیتے ہیں۔ تو دیکھا یہ گیا ہے کہ اس وقت وہ بھاگے پھر رہے ہوتے ہیں۔ یہ رسید نہیں، یہ فلاں کا واؤچر غائب ہے، یہ

فلاں کاغذ موجود نہیں، یہ فلر نہیں مل رہی۔تو اس وقت اپنے حسابات کو جانچنے اور پورا کرنے میں سب بھاگے پھر رہے ہوتے ہیں۔اس کو وہ کہتے ہیں انٹرنل آڈٹ کہ باہر کے ممتحن کے آنے سے پہلے خود اپنا امتحان لے لینا۔اور واقعی بات ٹھیک ہے کہ جو انسان چاہے کہ قیامت کے دن کی شرمندگی سے بچ جائے،اس کو چاہیے کہ اپنی زندگی کا حساب خود کرنا شروع کردے تاکہ قیامت کے دن کی رسوائی سے محفوظ ہو جائے۔

محاسبہ کا مطلب:

ماوردی رحمۃ اللہ علیہ محاسبہ کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَنْ يَتَصَفَّحَ الْاِنْسَانُ فِي لَيْلِهٖ مَاصَدَرَ مِنْ اَفْعَالِ نَهَارِهٖ فَاِنْ كَانَ مَحْمُوْدًا اَمْضَاهُ وَأَتْبَعَهُ بِمَا شَاكَلَهُ وَ ضَاهَاه ۔وَاِنْ كَانَ مَذْمُومًا اِسْتَدْرَكَهُ اِنْ اَمْكَنَ وَانْتَهٰى عَنْ مِّثْلِهٖ فِي الْمُسْتَقْبِلِ اَنَّ الْاِنْسَانَ يَعِيشُ مَعَ نَفْسِهٖ فِي كُلِ لَحْظَةٍ مِنْ لَحْظَاتِهٖ ۔اِنْ خَيْرًا حَمِدَ اللّٰهَ وَاهِبَ الْخَيْرِ وَاِنْ شَرًّا اِسْتَغْفَرَاللّٰهَ عَزَّوَ جَلَّ غَافِرَ الشَّرِّ

(موسوعة خطب المنبر:۱/۱۷۶۰)

’’دن میں انسان جو کچھ کرتا ہے،رات کو ان کے بارے میں سوچے کہ میں نے کیا کیا؟ اگر اچھے کام کیے تو ان کو جاری رکھے اور اگر برے کام کیے تو ان کا تدارک کرے، ان کو چھوڑ دے اور آئندہ ایسے گناہوں کو نہ کرنے کا عزم کرے۔ ہر انسان اپنے آپ کو اچھی طرح جانتا ہے، اس کے اوپر اس کی اچھائیاں بھی کھلی ہوتی ہیں اور برائیاں بھی کھلی ہوتی ہیں۔اگر اچھائیاں دیکھے تو اللہ جو نیکی کی توفیق دینے والا ہے،اس کا شکر ادا کرے اور اگر اپنے اندر گناہ دیکھے تو اللہ سے استغفار کرے جو گناہوں کو بخشنے والا ہے۔‘‘

ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ نے محاسبہ کا معنی بیان کیا ہے:

((اَلْمُحَاسِبَةُ اَنْ يُّمَيِّزَ الْعَبْدُ بَيْنَ مَالَهٗ وَمَا عَلَيْهِ))

''بندہ فرق کرے کہ میرے کتنے کام اچھے ہیں اور کتنے میرے اوپر بوجھ ہیں۔''

تو شریعت کے احکام کو سامنے رکھ کر اپنی نیکیوں کا اور برائیوں کا موازنہ کرنا اس کو ''محاسبہ'' کہتے ہیں۔

محاسبہ نفس کی اہمیت:

انسان اگر اپنے نفس کے اوپر نگہداشت رکھے تو پھر وہ گناہوں کو کرنا چھوڑ دیتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے:

اَلنَّفْسُ قَاطِعَةُ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْوُصُولِ اِلَى الرَّبِّ

''نفس انسان کو اللہ تعالیٰ کے وصل سے توڑتا ہے(دور کرتا ہے)۔''

اس لیے اس سے بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ))

(الترمذی، رقم الحدیث:۲۳۸۳)

''عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کے اوپر نظر رکھے اور موت کے بعد کے لیے اپنا عمل تیار رکھے۔''

معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

طُوْبٰى لِمَنْ حَاسِبَ نَفْسَهٗ قَبْلَ اَنْ يُحَاسَبَ

''مبارک ہو اس شخص کو جو قیامت سے پہلے اپنا محاسبہ خود کرلے''

......محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

اَلْعَاقِلُ مَنِ اتَّقٰی رَبَّهٗ وَحَاسَبَ نَفْسَهٗ

''عقلمند وہ ہوتا ہے جو اللہ سے ڈرے اور اپنے نفس کا محاسبہ کرے''

......بعض بزرگوں نے کہا:

رَحِمَ اللّٰهُ امْرَءً وَزَنَ نَفْسَهٗ اِتَّخَذَ نَفْسَهٗ عَدُوًّا

''اللہ اس شخص پر رحم کرے جو اپنے نفس کا وزن کرے اس سے پہلے کہ قیامت کے دن وزن کیا جائے۔''

اِتَّخَذَ نَفْسَهٗ عَدُوًّا

(اللہ اس شخص پر رحم کرے) جو اپنے نفس کو اپنا دشمن سمجھ کر رکھے۔

حَاسَبَ نَفْسَهٗ قَبْلَ اَنْ يَصِيْرَ الْحِسَابُ اِلٰى غَيْرِهٖ

(اللہ رحم کرے اس شخص پر) جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اس سے پہلے کہ اس سے حساب لیا جائے۔ (محاسبة النفس لابن ابی الدنیا: ۱/۶۰ ۱۷)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت:

چنانچہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ مجھے آپ کوئی نصیحت کیجیے۔ انہوں نے نصیحت کی اور واقعی نصیحت کرنے کا حق ادا کر دیا۔ فرمایا:

فَاِنَّهٗ مَنْ حَاسَبَ نَفْسَهٗ رَبِحَ

''جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے، وہ فائدہ اٹھاتا ہے۔''

وَمَنْ غَفَلَ عَنْهَا خَسِرَ

''جو اس سے غفلت کرتا ہے، وہ نقصان اٹھاتا ہے۔''

وَمَنْ نَظَرَ فِی الْعَوَاقِبِ نَجَا

''جو انجام پر نظر رکھے وہ نجات پا جاتا ہے۔''

وَ مَنْ اَطَاعَ هُوَاهُ ضَلَّ

''اور جو نفسانی خواہشات کی پیروی کرے وہ بھٹک جاتا ہے۔''

وَ مَنَ حَلُمَ غَنِمَ

''اور جس کے اندر بردباری ہو اس کو غنیمت حاصل ہو گئی۔''

وَ مَنْ خَافَ اَمِنَ

''اور جو ڈر گیا وہ امن پا گیا''

وَ مَنْ أَمِنَ اعْتَبَرَ

''اور جو امن پا گیا وہ عبرت پا گیا''

وَمَنِ اعْتَبَرَ اَبْصَرَ

''جس نے عبرت حاصل کی اس کو بصیرت حاصل ہوئی۔''

وَ مَنْ اَبْصَرَ فَهِمَ

''اور جس کو بصیرت حاصل ہوئی اس کو سمجھ آ گئی۔''

وَمَنْ فَهِمَ عَلِمَ

''جس نے فہم حاصل کر لی، اس کو علم حاصل ہو گیا۔''

فَاِذَا زَلَلْتَ فَارْجِعْ

''اور جب تو پھسل جائے تو لوٹ آ''

فَاِذَا نَدِمْتَ فَاقْلَعْ

''اگر کسی کام پر ندامت ہو تو اسے چھوڑ دو''

وَ اِذَاجَهِلْتَ فَسْأَلْ

''اگر کسی بات کا پتہ نہ ہو تو پوچھ لو۔''

وَاِذَا غَضِبْتَ فَاَمْسِكْ

''اور اگر تو غصے میں آ جائے تو اپنے غصے کو روک لو۔''

(احیاء علوم الدین: ۵۶/۴)

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت:

ایک شخص نے بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: حضرت! مجھے کوئی نصیحت کر دیجیے! انہوں نے فرمایا:

اُنْظُرْ بِاَيِّ بَدَنٍ تَقِفُ فِي الْقِيَامَةِ وَانْظُرْ مَنْ تَقِفُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ يُحَاسِبُكَ وَاعْلَمْ اَنَّكَ مَسْئُوْلٌ لَا مَحَالَةَ فَحَاسِبْ نَفْسَكَ وَالْزِمْ بَيْتَكَ

''دیکھو کہ قیامت کے دن تم کس بدن کو لے کر اللہ کے سامنے کھڑے ہو گے۔ اس بدن نے اللہ کی نافرمانیاں کی ہوں گی یا نہیں؟ اگر نافرمانیاں کیں ہوں گی تو سزا ملے گی، اگر فرمانبرداری کی ہو گی تو اس کو اجر ملے گا۔''

پھر فرمایا:

''وَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَكُنْ مَّعَ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ''

''تو اللہ کے نام پر ذکر کر اور ہر وقت اللہ کے ساتھ رہنا''

کیونکہ جو ذکر کرتا ہے اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔

محاسبہ کی کیا کیفیت ہو؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم محاسبہ تو کریں، لیکن کیسے کریں؟ محاسبہ کی کیفیت کیا

ہونی چاہیے؟ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ انسان نفس کا محاسبہ ایسے کرے جیسے کسی دشمن کا محاسبہ کرتے ہیں۔ اس لیے فرماتے تھے۔

"اِنَّ الْعَبْدَ لَا يَزَالُ بِخَيْرٍ مَا كَانَ لَهُ وَاعِظٌ مِنْ نَفْسِهٖ وَكَانَتِ الْمُحَاسَبَةُ مِنْ هِمَّتِهٖ (محاسبة النفس : ۱/۷)

"یقیناً آدمی اس وقت تک خیر میں رہتا ہے جب تک وہ اپنے نفس کو نصیحت کرتا رہتا ہے اور محاسبہ عزم کے ساتھ کرتا رہتا ہے"

میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

لَا يَكُونَ الْعَبْدُ تَقِيًّا حَتّٰى يَكُونَ لِنَفْسِهٖ اَشَدَّ مُحَاسَبَةً مِنَ الشَّرِيْكِ لِشَرِيْكِهٖ وَ قِيْلَ ۔ اَلنَّفْسُ كَالشَّرِيْكِ الْخَوَّانِ اِنْ لَمْ تُحَاسِبْهُ ذَهَبَ بِمَالِكَ

(فیض القدیر: رقم : ۳۷۵۱، کذافی الزهد لابن السری:۲/۵۸۰)

"وہ آدمی اس وقت تک متقی نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اتنی سختی سے اپنا محاسبہ نہ کرے، جیسے ایک شریک دوسرے شریک کا کرتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نفس خیانت کرنے والے شریک کی طرح ہے اگر تو اس کا محاسبہ نہ کرے تو وہ تمہارا مال لے جائے گا"

دو بندے کاروبار میں ایک دوسرے کے پارٹنر ہوں اور ان میں سے ایک بندہ بڑا ہی کنجوس ہو اور ایک ایک پائی کا حساب رکھتا ہو، جیسے وہ اپنے شریک سے ایک ایک پائی کا حساب لیتا ہے، تم اپنے نفس سے ایسے ہی حساب لیا کرو! لہٰذا کہا جا سکتا ہے نفس ایک خیانت کرنے والے شریک کے مانند ہے۔ اگر تم اس پر نظر نہیں رکھو گے تو وہ تمہارا مال لے کر چلا جائے گا۔ انسان اپنے نفس کو پالنے میں مشغول ہوتا ہے اور نفس

انسان کو جہنم میں دکھا دینے میں مشغول ہوتا ہے۔تو ہے یہ ہمارا نفس، مگر دشمن بھی یہ ہمارا ہی ہے، کیونکہ یہ ہمیں گناہ کے اوپر آمادہ کر لیتا ہے،تو جو گناہ پر آمادہ کرے وہ دشمن ہی ہوتا ہے۔ جو اللہ سے دور کرے وہ ہمارا دشمن ہے۔

چنانچہ بعض بزرگوں نے کہا:

اِنَّ التَّقِیَّ اَشَدُّ مُحَاسَبَةً لِنَفْسِهٖ مِنْ سُلْطَانٍ غَاشِمٍ وَمِنْ شَرِيْكٍ شَحِيْحٍ (احیاء علوم الدین: ۴/۴۰۵)

''جو متقی انسان ہے، وہ اپنے نفس پر محاسبہ کے لیے اتنا زیادہ سخت گیر ہوتا ہے جتنا کہ ایک قاضی سخت ہوتا ہے، یا کوئی کنجوس قسم کا آدمی جو کسی کے (کاروبار میں) شریک ہوتا ہے۔''

محاسبہ کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ جیسے:

○ عمل سے پہلے محاسبہ:

ایک محاسبہ یہ ہوتا ہے کہ عمل سے پہلے اس کا جائزہ لے لینا کہ میں کیا کرنا چاہ رہا ہوں؟ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا وَقَفَ عِنْدَ هَمِّهٖ فَاِنْ كَانَ لِلّٰهِ مَضٰى وَاِنْ كَانَ لِغَيْرِهٖ تَاَخَّرَ (احیاء علوم الدین: ۴/۴۰۰)

''اللہ رحم کرے اس شخص پر جو عمل کرنے سے پہلے تھوڑی دیر توقف کرے اور سوچے کہ اگر اللہ کے لیے کر رہا ہے تو عمل کو جاری رکھے اور اگر غیر کے لیے کر رہا ہے تو مؤخر کر دے''

فرمایا کہ کام کی نیت کو دیکھے، اگر یہ دکھاوے اور دنیا کی واہ واہ اور تعریف کے لیے ہے تو اسے نہ کرے۔ محاسبہ یہی ہے کہ کام سے پہلے دیکھے کہ نیت کیا ہے؟ دین کی نیت ہے یا دنیا کی؟ اور یہ بھی دیکھے کہ اس عمل کو میرے لیے کرنا بہتر ہے یا نہ کرنا بہتر ہے۔ تو یہ چیزیں کام سے پہلے سوچنے کی ہوتی ہیں۔

○ عمل کے بعد محاسبہ:

ایک محاسبہ عمل کر لینے کے بعد ہوتا ہے کہ عمل کر لینا اور اس کے بعد سوچنا کہ میں نے یہ کیسا عمل کیا ہے؟ چنانچہ بزرگوں نے لکھا:

اِنَّ الْمُحَاسَبَةَ فِي النِّهَايَةِ اَوْلٰى مِنَ الْمُحَاسَبَةِ فِي الْبِدَايَةِ

''شروع میں محاسبہ کرنے سے پہلے عمل کرنے کے بعد محاسبہ کرنا زیادہ بہتر ہوتا ہے''

کیونکہ عمل کر چکا ہوتا ہے، اب صحیح پتہ ہوتا ہے کہ میں نے کیسا عمل کیا اور کیوں کیا؟

حضرت عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

مَا دَخَلْتُ فِيْ شَيْءٍ مِنْ الْعَمَلِ الْاَكْبَرِ فَخَرَجْتُ مِنْهُ فَحَاسَبْتُ نَفْسِيْ اِلَّا وَجَدْتُ نَصِيْبَ الشَّيْطَانِ فِيْهِ اَوْفَرَ مِنْ نَصِيْبِ اللّٰهِ

''جب بھی میں نے کوئی بڑا عمل کیا اور عمل کرنے کے بعد میں نے اپنا محاسبہ کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اللہ کے لیے وہ عمل تھوڑا تھا اور شیطان کے لیے زیادہ تھا۔''

اب بتایئے! جب اتنے بڑے بڑے بزرگ اپنے عملوں کا یوں جائزہ لیتے تھے تو کیا ہمیں اپنے عملوں کا جائزہ لینے کی ضرورت نہیں ہے؟ ہم بھی اپنے عملوں کے

بارے میں سوچا کریں کہ ہم نے کیوں یہ عمل کیا؟

○ فرائض میں محاسبہ:

ایک محاسبہ فرض ہوتا ہے۔

مُحَاسَبَةٌ عَلَى التَّقْصِيْرِ فِي الطَّاعَاتِ

''طاعات جو اللہ کی مقرر کردہ ہیں ان میں کمی کوتاہی کا محاسبہ کرنا''

یعنی اپنے فرائض کا محاسبہ کرے کہ کیا:

......میری نمازیں پوری ہیں۔

......روزے پورے ہیں۔

......زکوٰۃ پوری ہے۔

......حج پورا ہے۔

اگر ان میں کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو اس کوتاہی کو پورا کرے۔ مثلاً نمازیں قضا کر دیں تو اب ان کو ادا کرے۔ یا اگر پہلے نمازیں توجہ کے ساتھ نہیں ہوتی تھیں، غفلت کی نمازیں تھیں تو ان کی تلافی کی کوشش کرے۔ ہمارے بزرگوں نے کئی کئی سال کی نمازوں کے نفل ادا کیے ہیں تاکہ اللہ قیامت کے دن فرضوں کی جگہ ان کو قبول کر لے۔ تو اپنے فرائض کا خیال پہلے رکھے۔

○ گناہوں کا محاسبہ:

محاسبے کی ایک قسم اپنے گناہوں کا محاسبہ کرنا ہے۔

مُحَاسَبَةٌ عَلٰى مَعْصِيَةٍ اِرْتَكَبْتَهَا

''گناہ کا جو ارتکاب کیا اس کے اوپر اپنا محاسبہ کرے''

لہٰذا معاصی کا محاسبہ کرتے ہوئے پھر نیکیاں زیادہ کرے۔ کیونکہ فرمایا گیا:

﴿اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ﴾

''نیکیاں گناہوں کو دھو دیتی ہیں''

گناہ میل ہوتے ہیں اور نیکیوں کی مثال صابن کی سی ہوتی ہے۔ جیسے کپڑا میلا ہو جائے تو انسان اس پر صابن لگاتا ہے جس سے وہ میل دور ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر انسان دل کو اپنے گناہوں کے ذریعہ سے میلا کر بیٹھے تو اب نیکی اور عبادت کا صابن استعمال کرے...... اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نورانی بنا دینگے۔

○ مباحات میں محاسبہ:

ایک ہوتا ہے کہ مباحات کے بارے میں اپنا محاسبہ کرنا۔

مُحَاسَبَۃٌ عَلٰی اَمْرٍ مُّبَاحٍ

''مباح امور کا محاسبہ''

اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اگر انسان نے کوئی مباح عمل کیا تو یہ دیکھے کہ اس کا اثر کیا پڑتا ہے؟ اگر اس کی وجہ سے غفلت بڑھی تو اس عمل کو چھوڑ دے، اور اگر اس کی وجہ سے حضوری بڑھی تو اس عمل کو کرنا جائز ہے۔

○ لایعنی کاموں کا محاسبہ:

مُحَاسَبَۃٌ عَلٰی اَمْرٍ کَانَ تَرْکُہٗ خَیْرًا مِنْ فِعْلِہٖ

''ایسے امور کا محاسبہ جن کو چھوڑ دینا کرنے سے زیادہ بہتر ہے''

یہ جو لایعنی کام کرتے ہیں، فضول مشاغل، جن کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہوتی ان کا محاسبہ کرنا۔ دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑانا، دوسروں کی باتوں کی خیر خبر

رکھنا، یا مختلف معاملات میں فضول وقت ضائع کرنا۔تو فرمایا کہ ایسے کاموں میں اپنا محاسبہ کرے۔

○ مخصوص وقت میں محاسبہ:

مُحَاسَبَةُ النَّفْسِ عِنْدَ نِهَايَةِ الْأُسْبُوْعِ اَوِ الشَّهْرِ اَوِ السَّنَةِ

''ہفتے مہینے یا سال کے آخر پر نفس کا محاسبہ کرنا''

فرماتے ہیں کہ پھر انسان اپنی اس طرح کی ترتیب بنائے کہ ہفتے کے بعد اپنا محاسبہ کرے کہ میں نے پچھلا ہفتہ مدرسہ میں کیسا گزارا؟ جیسے جمعہ کے دن کو محاسبہ کیا کرے کہ کیا میں نے:

......سبق یاد کیا؟

......تکبیر اولیٰ کا خیال رکھا؟

......تہجد پڑھی؟

......میں نے کوئی گناہ کا کام تو نہیں کیا؟

......میں نے کسی استاد کی بات کی، نافرمانی تو نہیں کی؟

اپنا محاسبہ کرے، جائزہ لے، اگر کچھ غلط باتیں ہیں تو ان کی اصلاح کرے، اور پھر ارادہ کرے کہ میں آئندہ ہفتہ اس سے بہتر گزارنے کی کوشش کروں گا۔

پھر جب مہینہ پورا ہو جائے تو مہینے کے بعد پھر محاسبہ کرے کہ میں نے پورا مہینہ کیسے گزارا؟ اگر اس میں کوتاہیاں ہوئیں تو اگلا مہینہ اچھا گزارنے کی کوشش کرے۔

اسی طرح جب سال ختم ہو جائے تو سال کے بعد پھر محاسبہ کرے کہ میں نے یہ سال کیسا گزارا؟ آج تو دنیا نئے سال کے اوپر رنگ رلیاں مناتی ہے اور خوش ہوتی

ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ نئے سال کے اوپر اپنا محاسبہ کرے کہ بھئی! نیا سال شروع ہونے والا ہے...... میں نے پچھلا سال کیسا گزارا؟ اور آئندہ کیسے گزارنا ہے؟

مطلب یہ کہ زندگی کے مختلف اوقات میں اپنے ماضی کی جانچ پڑتال کرتا رہے کہ میرا وقت کیسا گزرا۔

○ فضیلت کے اوقات میں محاسبہ:

مُحَاسَبَةُ النَّفْسِ عِنْدَ الْاَوْقَاتِ الْفَاضِلَةِ

''جو فضیلت کے اوقات ہوتے ہیں ان میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے''

جیسے رمضان شریف کا مبارک مہینہ ہے۔ ویسے تو ہم جیسوں کا سارا سال غفلت میں گزرتا ہے لیکن رمضان شریف میں آکر پھر آنکھیں کھلتی ہیں کہ بھئی! فضیلت والا مہینہ آگیا، اس کی تو بڑی برکتیں ہیں، اب کچھ اس سے فائدہ اٹھالیں۔ تو رمضان سے پہلے اپنا محاسبہ کرے کہ پچھلے رمضان سے اس رمضان تک میں نے اپنا سال کیسے گزارا؟ اور یہ رمضان میں نے کیسے گزارنا ہے؟

اسی طرح ذی الحجہ کا عشرہ ہے، اس کے اندر اپنا محاسبہ کرے کہ وہ افضل ترین ایام ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ سب سے افضل دن ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان دس راتوں کی قسم کھائی ہے، فرمایا: ﴿وَالْفَجْرِ وَ لَيَالٍ عَشْرٍ﴾

تو جن دنوں کی راتوں کی اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھائیں، اتنی فضیلت بتائی گئی تو پھر ان دنوں میں اپنا محاسبہ کرے۔ یا پھر جمعرات کو محاسبہ کرے کہ شبِ جمعہ فضیلت کی رات ہوتی ہے۔ تو مختلف اوقات میں اپنا جائزہ لینے کی عادت ڈالے۔

○ فضیلت کی جگہوں پر محاسبہ:

مُحَاسِبَةُ النَّفْسِ عِنْدَ الْاَمَاکِنِ الْفَاضِلَةِ

''اور جو فضیلت کی جگہیں ہیں ان میں اپنا محاسبہ کرے''

......جیسے اللہ تعالیٰ نے کسی کو عمرے پر جانے کی توفیق دے دی تو حرم میں جا کر سوچے کہ اب تک کی زندگی میں نے کیسے گزاری؟ اور میں اللہ کے گھر کیا لے کر جا رہا ہوں؟ اور میں وہاں سے واپس لوٹ کر جاؤں گا تو بدل کر جاؤں گا یا جیسا جانور بن کر آیا تھا ایسا ہی واپس جاؤں گا۔

......اسی طرح اگر مسجد میں آئے تو وہاں بھی اپنا محاسبہ کرے۔

......مدرسہ میں ہو تو وہاں محاسبہ کرے۔

......اور اگر شیخ کی جگہ پر یعنی خانقاہ میں ہو تو وہاں بھی محاسبہ کرے کہ بھئی! گھر پر میری زندگی کیسے گزر رہی ہے اور مجھے کیسے گزارنی چاہیے؟

ان جگہوں پر اگر محاسبہ کی عادت ڈالے گا تو پھر اس سے اپنی اصلاح کی توفیق نصیب ہوتی رہے گی۔

محاسبہ کون کرے؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ

فَمَنْ یُحَاسِبُ   محاسبہ کون کرے؟

جب بھی محاسبے کی بات ہوتی ہے تو ذہن میں یہی آتا ہے کہ دوسرے سارے محاسبہ اپنا کریں، اپنی طرف خیال نہیں جاتا کہ مجھے بھی ضرورت ہے۔ چنانچہ جب بھی قیامت کے دن کے بارے میں سوچیں تو عام طور پر تصور یہ بنتا ہے کہ ہاں! قیامت کا

دن ہوگا، ایک ترازو ہوگا، جس کے ایک طرف نیکیاں اور ایک طرف برائیاں تل رہی ہوں گی اور کچھ فرشتے ہوں گے جو نیکیوں کو اور برائیوں کو تول رہے ہوں گے، اور لوگ ہوں گے وہ آکر اپنا حساب کتاب کروار ہے ہوں گے، اور میں...... میں دیوار پر بیٹھا تماشا دیکھ رہا ہوں گا۔ بندے کی اپنی حالت ایسی ہوتی ہے کہ اس بات کو نہیں سوچتا کہ پتہ نہیں اس دن میرا نیکیوں کا پلڑا جھکے گا یا گناہوں کا جھکے گا، یہ نہیں سوچتا کہ میں بھی ان میں سے ایک ہوں گا۔ نہیں نہیں !! بندہ سمجھتا ہے کہ بس میں ایک طرف بیٹھا تماشا دیکھ رہا ہوں گا۔

بھئی! قیامت کے دن ایسا نہیں ہوگا۔ قیامت کے دن حال کچھ ایسا ہوگا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ انبیا میں سے کوئی نبی ایسا نہیں ہوگا کہ جس کا بدن کانپ نہیں رہا ہوگا اور وہ خوفزدہ نہیں ہوگا کہ پتہ نہیں آج میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ تو جب انبیا تھراتے ہوں گے تو اس دن کے بارے میں ہماری سوچ اتنی بےفکری والی سوچ ہوتی ہے۔ تو محاسبہ کس کو کرنا چاہیے؟

عَامَّةٌ لِجَمِيعِ الْمُؤْمِنِيْنَ كَبِيْرِهِمْ وَصَغِيرِهِمْ ذَكَرِهِمْ وَاُنْثَاهُمْ صَالِحِهِمْ وَطَالِعِهِمْ وَ عَالِمِهِمْ وَجَاهِلِهِمْ

سب مومنین کو محاسبہ کرنا چاہیے۔

...... بڑا ہو یا چھوٹا ہو

...... مرد ہو یا عورت ہو

...... نیک ہو یا بد ہو

...... عالم ہو یا جاہل ہو

تو کوئی بھی ہو، ہر بندے کو اپنا جائزہ لینا چاہیے اور محاسبہ کرنا چاہیے۔

محاسبہ کہاں سے شروع کریں؟

اگلا سوال پیدا ہوتا ہے:

مِنْ اَیْنَ نَبْدَأُ مُحَاسَبَةَ النَّفْسِ ؟

محاسبہ کی ابتدا کہاں سے کریں؟

ہم اپنا محاسبہ کرنا تو چاہتے ہیں لیکن کہاں سے شروع کریں؟ اللہ جزائے خیر دے علمائے کرام کو کہ انہوں نے ایک ایک چیز کو کھول کھول کر بتا دیا ہے۔

فرائض کا محاسبہ

يُحَاسِبُ نَفْسَهٗ اَوَّلًا عَلَى الفَرَائِضِ فَاِنْ تَذْكُرُ فِيهَا نُقْصًا تُدَارِكُهٗ اِمَّا بِقَضَآءٍ اَوْ اِصْلَاحٍ (اغاثة اللهفان: ۱/۸۳)

''سب سے پہلے فرائض کا محاسبہ کرے، اگر اس میں کوتاہی ہو تو قضا سے یا اصلاح سے اس کا ازالہ کرے''

...... جب سے نماز فرض ہوئی اگر پڑھ رہا ہے تو اللہ کا شکر ادا کرے اور اگر قضا ہوئی ہیں تو ان کی قضا ادا کرے۔ ہم نے بعض ایسے لوگوں کو دیکھا کہ جن کی پانچ پانچ سال کی نمازیں قضا تھیں یا دس دس، پندرہ پندرہ سال کی نمازیں قضا تھیں، انہوں نے ان کو قضا کرنا شروع کیا حتیٰ کہ پندرہ سال میں روزانہ پانچ وقت کی نماز پڑھ کر انہوں نے پندرہ سال کی قضا نمازوں کو پورا کر لیا۔ بھئی! جب قرضہ دینا ہو تو انسان تھوڑا تھوڑا دینے کی روازانہ ابتدا کر دے تو قرضہ دینے والا بھی مطمئن ہو جاتا ہے کہ ہاں اس نے دینا شروع کر دیا ہے۔ اور لینے والا بھی مطمئن ہو جاتا ہے۔ تو یوں سمجھیں جس کے ذمے پرانی نمازیں ہیں وہ روزانہ گزشتہ سالوں کی پانچ نمازوں کے فرائض

کو ادا کرنا شروع کر دے۔ بلکہ نفلیں بھی نہ پڑھے، نفلوں کی جگہ بھی قضا فرض ادا کرے، نفلوں کی ادائیگی بھی ہو جائے گی فرائض کی ادائیگی بھی ہو جائے گی۔

......اگر ماضی میں کچھ روزے نہیں رکھے تو روزے بھی قضا کرے۔

......اسی طرح اگر زکوٰۃ نہیں دی تو حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کرے۔

تو سب سے پہلے فرائض سے کی گئی کوتاہیوں کا محاسبہ کرے۔

گناہوں کا محاسبہ

ثُمَّ یُحَاسِبُهَا عَلَى الْمَنَاهِي تُدَارِكُهُ بِالتَّوْبَةِ

''پھر منکرات کا محاسبہ کرے اور توبہ سے ازالہ کرے''

اپنے گناہوں کو سوچے کہ میں نے کون کون سے گناہ کیے؟ اور پھر ان گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے رو رو کر اور گڑگڑا توبہ کرے۔

غفلت میں گزرے وقت کا محاسبہ

ثُمَّ یُحَاسِبُ نَفْسَهُ عَلَى الْغَفْلَةِ

''پھر اپنے نفس کا غفلت پر محاسبہ کرے''

کہ غفلت میں جو وقت گزرا تو میں نے زندگی کا کتنا وقت ضائع کیا؟ اور اب اپنے آپ کو ذکر و عبادت میں لگا کر رکھے۔

اخلاص میں کمی کا محاسبہ

ثُمَّ یُحَاسِبُ عَنِ الْاِخْلَاصِ وَالْمُتَابَعَةِ

''پھر اخلاص اور اتباع کا محاسبہ کرے''

دیکھے کہ میں نے جو عمل کیے، ان میں اخلاص میں کتنی کمی تھی۔ اور یہ محاسبہ تو

بڑوں کا ہوتا ہے۔

تو محاسبہ فرائض سے شروع ہو کر اخلاص تک پہنچتا ہے۔ ہم تو ان لوگوں میں سے ہیں جو فرائض اور واجبات کو پورا کر لیں تو یہ بھی بڑی بات ہے۔ اس لیے فرائض سے ہمیں محاسبہ شروع کرنا چاہیے۔ آج وقت ہے ہم اس کمی کو پورا کر سکتے ہیں۔

اور اگر بالفرض ہم اس نتیجہ پر پہنچیں کہ جی! ہمارا نفس ہم سے بار بار گناہ کرواتا ہے، ہم چھوڑتے ہیں پھر گناہ کرواتا ہے، پھر چھوڑتے ہیں پھر گناہ کرواتا ہے تو اس کا حل کیا ہے؟ اس کا حل ہے: **مُعَاقَبَةُ النَّفْسِ** (اپنے نفس کو سزا دینا)۔ جب نفس کی مخالفت ہو گی تو طاعت پر آمادہ ہو جائے گا۔ ہمارے اکابر تو اپنے نفس کو ایسا سیدھا کر کے رکھتے تھے کہ حیرانی ہوتی ہے۔ کچھ مثالیں سن لیجیے۔

اکابرین امت کی مثالیں:

⊙ ......حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

حَاسِبُوْا اَنْفُسَکُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا (احیاء علوم الدین: ۴/۵۲۱)

''تم اپنا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک مرتبہ عصر کی جماعت چلی گئی۔ وضو کرتے ہوئے انسان سے کبھی دیر ہو جاتی ہے، صحت بیماری بھی زندگی کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے، تو ان سے بھی کچھ دیر ہو گئی۔

عَاقَبَ عُمَرُ ابْنَ الْخَطَّابِ نَفْسَهٗ حِیْنَ فَاتَتْهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ فِیْ جَمَاعَةٍ بِاَنْ تَصَدَّقَ بِاَرْضٍ کَانَتْ لَهٗ قِیْمَتُهَا مِاَتَا اَلْفِ دِرْهَمٍ

(احیاء علوم الدین: ۴/۴۰۸)

نفس کی سزا کے طور پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک زمین اللہ کے راستے میں صدقہ کی جس کی قیمت دو ہزار درہم تھی۔ صرف اس وجہ سے کہ مجھ سے جماعت کیسے فوت ہو گئی؟ اپنے نفس کو یہ سزا دی۔

⊙......حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مرتبہ باغ میں گیا۔

يَقُولُ بَيْنِي وَبَيْنَهُ جِدَارٌ وَهُوَ فِي جَوْفِ الْحَائِطِ

''کہتے ہیں: باغ میں ایک دیوار تھی، عمر دیوار کے ایک طرف تھے میں دوسری طرف تھا''

تو میں نے سنا وہ اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہہ رہے تھے: لوگ تو تجھے کہتے ہیں:

عُمَرُ ابْنِ الْخَطَّابِ اَمِيرُ الْمُؤْمِنِيْنَ بَخْ بَخ

عمر ابن خطاب امیر المؤمنین! شاباش شاباش

وَ اللّٰهِ لَتَتَّقِيَنَّ اللّٰهَ اَوْ لَيُعَذِّبَنَّكَ (احیاء علوم الدین: ۴/۴۰۵)

''اللہ کی قسم! اللہ سے ڈر (نیکی کر) ورنہ اللہ (قیامت کے دن) تجھے عذاب دے گا''

اپنے آپ کو سنا رہے تھے کہ لوگ تو تجھے امیر المؤمنین کہتے ہیں۔ ذرا سنبھل کر زندگی گزارو! نیک کام کرو! ورنہ قیامت کے دن اللہ کی طرف سے تجھے سزا دی جائے گی۔

⊙......ایک مرتبہ بہت سارا غنیمت کا مال آیا، عمر رضی اللہ عنہ نے تقسیم کیا۔ تقسیم ہونے کے بعد لوگ جانے لگے تو فرمایا: لوگو! ذرا بات سنو! تو لوگ اکٹھے ہو گئے۔ جب وہ منبر کے قریب آ کر بیٹھ گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے: عمر! تو

وہی تو ہے جس کی ماں خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔عربوں میں خشک گوشت کو کھانا ایک طعنہ اور عیب سمجھا جاتا تھا کہ جس کے پاس کوئی مال پیسہ نہیں ہوتا تھا جب اسے گوشت مل جاتا تو وہ اسے دھوپ میں خشک کر کے رکھ لیتا اور جب کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو خشک گوشت ہی کھالیا کرتا تھا۔ یہ ایک گھٹیا درجے کی بات سمجھی جاتی تھی۔عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر چڑھ کر اپنی یہ بات خود سنائی اور نیچے اتر آئے۔لوگ بڑے حیران ہوئے کہ انہوں نے خود ہی بلایا اور پھر بات کہہ کر نیچے اتر آئے۔ چنانچہ کسی نے کہا: امیرالمؤمنین! آپ نے یہ کیا کیا؟ فرمایا: بات دراصل یہ ہے کہ جب میں نے بہت ساری فتوحات کا مال دیکھا، غنیمت کا مال دیکھا، تو میرے نفس کے اندر ایک عجب کی کیفیت پیدا ہوئی کہ میرے زمانے میں کتنی فتوحات ہو رہی ہیں! تو میں نے اس وقت اپنے نفس کا علاج کرنا ضروری سمجھا، لہٰذا میں نے سب کے سامنے کھڑے ہو کر ایک ایسی بات کی جس سے مجھے لوگوں کے سامنے شرمندگی ہو، تا کہ نفس کے اندر جو عجب کی کیفیت ہے وہ ختم ہو جائے۔ اللہ اکبر کبیرا!! کیسی عظیم ہستیاں تھیں! کتنی پاکیزہ زندگیاں تھیں! ذرا سی اندر کوئی ایسی کیفیت معلوم ہوتی تھی تو فوراً اس کا علاج کر دیا کرتے تھے۔

⊙......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ

اِذَا فَاتَتْهُ صَلَاةٌ فِي جَمَاعَةٍ اَحْيَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ

''اگر کبھی ان سے جماعت فوت ہوتی تھی تو وہ پوری رات اللہ کی عبادت میں گزارا کرتے تھے۔'' (احیاء علوم الدین: ۴/ ۴۰۸)

وہ جماعت فوت ہونے پر اپنے نفس کو سزا دیتے تھے۔اور یہاں تو عجیب بات ہے کہ نمازیں ہی قضا ہو جاتی ہیں اور احساس بھی نہیں ہوتا کہ میں نے کچھ کوتاہی کی

ہے۔ وجہ کیا ہے کہ ہم اپنے نفس پر نظر نہیں رکھتے۔ اپنی غلطیوں کی طرف نظر نہیں ہوتی۔

⊙ ......طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز کے دوران ہی ایک پرندہ آ گیا، وہ باغ میں سے نکلنا چاہ رہا تھا، درخت قریب قریب تھے اور اسے راستہ نہیں مل رہا تھا، چنانچہ وہ پھڑ پھڑا رہا تھا۔ آپ کا دھیان نماز سے اس پرندے کی طرف چلا گیا۔ جب ادھر دھیان گیا تو طلحہ رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرنے کے بعد پورا باغ اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیا کہ اس باغ کی وجہ سے میرا دھیان نماز سے ہٹ کر کہیں اور چلا گیا، لہٰذا میں ایسا باغ ہی اپنے پاس رکھنا پسند نہیں کرتا۔

⊙ ......ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بہت تھکے ہوئے تھے، آنکھ لگ گئی۔ مغرب کی نماز پڑھنی تھی، لیکن مغرب کی نماز میں وقت کچھ زیادہ ہو گیا۔ مغرب کی نماز کا وقت تو شروع ہوتا ہے جب سورج غروب ہو جائے۔ پھر شفق ہو جاتا ہے، وہ بھی ختم ہو جائے اور ستارے خوب چھٹکنے لگ جائیں تب عشا کا وقت ہو جاتا ہے۔ اب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جب اٹھے تو دیکھا کہ دو ستارے نظر آنے لگ گئے تھے، اس وقت ابھی مغرب کا وقت تھا ختم نہیں ہوا تھا۔ بہر حال انہوں نے اٹھ کر مغرب کی نماز پڑھی اور نماز پڑھنے کے بعد فَـاَعْتَـقَ رَقَبَتَيْـنِ دو غلاموں کو اللہ کے راستے میں آزاد کر دیا۔ اگرچہ نماز کا وقت قضا نہیں ہوا تھا۔

⊙ ......ابن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ابھی فجر کی سنتیں پڑھنی تھیں لیکن ایسے وقت میں نماز میں پہنچے کہ سنتوں کے بجائے فرضوں میں شامل ہونا پڑا۔ تو فجر کی سنتیں اپنے وقت میں نہ پڑھ سکے۔ اس بات پر انہوں نے (فَـاَعْتَـقَ رَقَبَةً) ایک غلام کو آزاد کر دیا۔

⊙......ابن عوران رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ والدہ نے آواز دے کر پکارا۔انہوں نے جواب میں کہا کہ میں آتا ہوں، لیکن انہوں نے محسوس کیا کہ امی کی آواز نیچی تھی اور میری آواز ان سے اونچی تھی

فَعَلَا صَوْتُهٗ صَوْتَهَا فَاَعتَقَ رَقَبَتَيْنِ

دوغلاموں کوآزاد کر دیا کہ میری آواز میری والدہ سے اونچی کیوں ہوگئی؟

آج کل کے بچے تو سنتے ہی نہیں کہ ماں کیا کہہ رہی ہے؟اس کی آواز سے اونچی آواز تو بڑی دور کی بات ہے وہ تو ستاتے ہیں۔اور بیٹیاں ماؤں کے ساتھ جھگڑے کرتی ہیں، بیٹا باپ کے ساتھ جھگڑا کرتا ہے، ایسے لگتا ہے جیسے آج کل کی اولاد کا کوئی باوا آدم ہی نرالا ہو گیا ہے۔ یہ کس لیے ہوا؟ اس لیے کہ ہمیں اپنے نفس کی دیکھ بھال کی عادت ہی نہیں رہی، بس جو ہو رہا ہے سو ہو رہا ہے۔سوچیے کہ ایسی صورت میں اگر ہم اللہ کے حضور پہنچ گئے تو پھر ہمارا کیا بنے گا؟

⊙......چنانچہ ابن وہیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نَذَرْتُ اَنِّی كُلَّمَا اغْتَبْتُ اِنْسَانًا اَنْ اَصُوْمَ يَوْمًا فَكُنْتُ اَغْتَابُ وَاَصُوْمُ فَنَوَيْتُ اَنِّی كُلَّمَا اِغْتَبْتُ اِنْسَانًا اَنْ اَتَصَدَّقَ بِدِرْهَم فَمِنْ حُبِّ الدَّرَاهِمِ تَرَكْتُ الْغِيبَةَ

میں نے ایک مرتبہ نذر مان لی کہ میں نے اگر کسی کی غیبت کی تو میں ایک دن کا روزہ رکھا کروں گا۔ کہنے لگے کہ میں غیبت بھی کرتا تھا اور روزے بھی رکھتا تھا۔ یوں میری غیبت کی عادت چھوٹ ہی نہیں رہی تھی۔ پھر میں نے نیت کر لی کہ اچھا! اب اگر میں غیبت کروں گا تو میں کچھ درہم اللہ کے راستے میں صدقہ کروں گا۔ جب پیسے دینے پڑے تو نفس پر مشقت ہوئی، حتیٰ کہ میں نے غیبت کو چھوڑ دیا۔

قَالَ الذَّهْبِیُّ هٰذَا هُوَ ثَمْرَةُ الْعِلْمِ النَّافِعِ

''ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ علمِ نافع کا ثمرہ ہوتا ہے''

انہوں نے پہچان لیا کہ یہ عمل کرنا تو میرے لیے آسان ہے چونکہ روزے رکھنے کی عادت بنی ہوئی ہے، لہٰذا میں کوئی ایسی مشقت نفس پر ڈالوں جو اس کو سوچنے پر مجبور کر دے کہ مجھے اس گناہ کو چھوڑنا ہے۔

سلف صالحین کا دستور:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کیا کریں غلطی بار بار ہو جاتی ہے۔ توبہ کرتے ہیں، غلطی پھر ہو جاتی ہے۔ تو بس ٹھیک ہے، آپ کسی جگہ یہ لکھ لیا کریں کہ آج میں نے یہ گناہ کیا ہے لہٰذا اب میں صبح اور شام کا کھانا نہیں کھاؤں گا۔ جب ایک دن کھانا نہ کھایا، دوسرے دن پھر غلطی ہوگئی پھر نہ کھایا، تیسرے دن جب چکر آئیں گے تو دماغ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ کہے گا: ہاں بھئی! میں نے اب گناہ نہیں کرنا۔ تو اپنے نفس کو سزا دینا یہ سلف صالحین کا دستور رہا ہے۔ وہ کوئی غلطی ہوتی تھی تو اتنی لمبی عبادتیں کرتے تھے کہ دوسروں کو ترس آنے لگ جاتا تھا۔

⊙ ...... چنانچہ مسروق رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی کہتی ہیں کہ میرے خاوند رات کو اتنی لمبی عبادتیں کرتے تھے:

وَ اللّٰهِ اِنِّیْ كُنْتُ لَاَجْلِسُ خَلْفَهٗ فَاَبْكِیْ رَحْمَةً لَّهٗ

میں پیچھے بیٹھتی تھی اور ان کو لمبا قیام کرتے ہوئے دیکھتی رہتی تھی اور ان کی مشقت کے اوپر میری آنکھوں سے آنسو آ جاتے تھے۔

⊙ ...... امِ ربیع رحمۃ اللہ علیہا کہتی ہیں کہ میرا بیٹا رات کو بہت لمبی نفلیں پڑھا کرتا تھا۔ تو ایک مرتبہ میں نے اسے کہا:

يَابُنَيَّ! لَعَلَّكَ قَتَلْتَ قَتِيْلًا ؟

کیا تو نے کسی کو قتل کر دیا؟

قَالَ نَعَمْ ! يَا اُمَّاهُ !

وہ کہنے لگے: ہاں اماں قتل کر دیا۔

قَالَتْ مَنْ هٰذَا لُقَتِيْلُ

انہوں نے پوچھا: کس کو قتل کیا؟

قَالَ هِيَ نَفْسِيْ (احیاء علوم الدین: ۴/۴۱۰)

کہنے لگے: اپنے نفس کو قتل کر دیا۔

تو واقعی یہ لوگ اپنے نفس سے اس طرح معاملہ کرتے تھے کہ جیسے بندہ اپنے نفس کو قتل ہی کر دیتا ہے۔

محاسبۂ نفس سے روکنے والے عوامل

کچھ ایسے کام ہوتے ہیں کہ جو محاسبۂ نفس سے بندے کو روکتے ہیں، مثلاً:

(۱) گناہوں کی کثرت:

اَلْمَعَاصِيْ (گناہ)

انسان جتنے گناہ زیادہ کرے گا اتنا اسے محاسبہ کا خیال ہی نہیں آئے گا۔ اس طرف دھیان ہی نہیں جائے گا بلکہ موت کا نام سننا اچھا نہیں لگے گا۔ آج آپ گھروں کی حالت دیکھ لیں کسی گھر میں آپ عورتوں کے سامنے موت کا نام لیں تو وہ کہیں گی آپ کو اور بات کوئی نہیں آتی موت کا تذکرہ ہی اچھا نہیں لگتا۔ محاسبہ تو دور کی بات ہے، سوچنا پسند نہیں کرتے!

(۲) مباحات میں وسعت:

اَلتَّوَسُّعُ فِي الْمُبَاحَاتِ

جو انسان مباحات کو اختیار کرنے کے لیے توسع اختیار کرتا ہے، اس کے لیے بھی محاسبہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ بھلا جو بندہ اکثر وقت نفس کی خواہشات کو پورا کرنے اور دنیا کی آسائشات کو حاصل کرنے میں گزارے گا، اس کا محاسبہ نفس کی طرف دھیان کیسے جائے گا؟

(۳) عظمتِ الٰہی کا استحضار نہ ہونا:

عَدَمُ اسْتِشْعَارِ عَظْمَةِ اللّٰهِ

جب اللہ کی عظمت اور کبریائی کھلی ہوئی نہیں ہوتی تو انسان گناہ کرتا ہے۔ اس کو خیال ہی نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے حساب لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو پھر بندے کو باندھیں گے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَا يُوْثِقُ وَ ثَاقَهٗ اَحَدٌ﴾ (الفجر:۲۶)

''ایسا باندھوں گا کہ ایسا کوئی باندھ نہیں سکتا''

﴿فَاِنِّيْ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّا اُعَذِّبُهٗ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (المائدة:۱۱۵)

''ایسا عذاب دوں گا کہ جہانوں میں ایسا عذاب کسی کو نہیں دوں گا''

(۴) تزکیہ نفس کی کمی:

عَدَمُ تَزْكِيَةِ النَّفْسِ

نفس کا تزکیہ نہیں ہوتا۔ انسان گناہوں میں پڑا ہوتا ہے اور اسے احساس ہی نہیں ہوتا کہ مجھے اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنی ہے۔

(۵) فکرِ آخرت کی کمی:

عَدَمُ تَذَكُّرِ الآخِرَةِ

دنیا میں اتنا منہمک ہوتا ہے کہ آخرت کی طرف دھیان ہی نہیں ہوتا۔ محاسبہ تو وہ کرتا ہے جسے اپنی عاقبت یاد ہو۔

(۶) لہو ولعب میں مشغولی:

اَلْإِنْشِغَالُ بِالْمَلَاهِيْ وَ اللَّعَبِ فَإِنَّ بِهَا تَقْسُوْ الْقَلْبُ

لہو ولعب کے اندر زیادہ مشغولیت سے بھی انسان کا دل سخت ہو جاتا ہے۔ پھر ایسا بندہ محاسبۂ نفس کی طرف نہیں آتا۔

(۷) دنیا کی محبت:

حُبُّ الدُّنْيَا

دنیا کی محبت دل کے اندر اتنی گھر کر جاتی ہے کہ انسان کو آخرت کے تذکرے ہی اچھے نہیں لگتے۔ ایسی صورت میں انسان اپنا محاسبہ ہی نہیں کرتا۔

محاسبہ نہ کرنے والے کی علامات

جو انسان محاسبہ نہ کرتا ہو اس کی علامات سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ محاسبہ نہیں کرتا۔ اس کی نشانیاں ہیں:

(۱)...... **كَثْرَةُ الْمَعَاصِيْ**

گناہ زیادہ سرزد ہوتے ہیں

(۲)...... **يَعْسِرُ عَلَيْهِ تَرْكُ الْمَعَاصِيْ**

گناہوں کو چھوڑنا مشکل ہوتا ہے۔

(۳)......اِسْتِثْقَالُ الطَّاعَةِ

نیکی کرنی اس کو مشکل محسوس ہوتی ہے۔

(۴)......هِلَاكُ الْقَلْبِ

اس کا دل مرجاتا ہے۔

جو انسان اپنا محاسبہ کرنا چھوڑ دیتا ہے اس کا دل روحانی طور پر مردہ ہوجاتا ہے۔ ایک شخص حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا، کہنے لگا: حضرت! لگتا ہے ہمارے دل سو گئے۔حضرت نے پوچھا: کیوں کیا ہوا؟

حضرت! آپ درس قرآن دیتے ہیں ہم پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔

حضرت فرمانے لگے: بھئی! اگر درس قرآن کا دل پر اثر نہیں ہوتا تو یہ نہ کہو کہ دل سو گئے بلکہ یہ کہو دل مو گئے......مر گئے۔

اس نے کہا: جی مر کیسے گئے؟

فرمایا: جو سویا ہوتا ہے اس کو جھنجوڑا جائے تو وہ جاگ جاتا ہے، جس کو جھنجھوڑیں اور وہ نہ جاگے تو وہ سویا ہوا نہیں وہ تو مویا ہوا (مرا ہوا) ہوتا ہے۔ درسِ قرآن دیا جائے، اللہ کی عظمت بیان کی جائے اور پھر بندے کا دل اس کی طرف متوجہ نہ ہو تو یہ پھر دل کی موت کی علامت ہوا کرتی ہے۔

اب ایسے اسباب بیان کرتے ہیں جو محاسبۂ نفس کو آسان بنا دیتے ہیں۔

۱ خوداحتسابی:

ان میں سے پہلی چیز ہے کہ انسان یہ سوچے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حساب لیں گے، اس سے بہتر ہے کہ آج میں اپنا حساب خود کرلوں اور اپنی کوتاہیوں پر استغفار کر کے اللہ سے معافی مانگ لوں۔ آج تو گناہ معاف ہو سکتے ہیں جتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں...... زندگی میں تو کفر اور شرک کی بھی توبہ ہے۔ جب کفر اور شرک کی بھی اللہ نے توبہ رکھی ہے تو باقی گناہ تو اس سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ تو انسان اپنی زندگی میں ہی توبہ کر کے اپنے گناہوں کو اللہ سے بخشوا لے۔

۲ بزرگوں کے واقعات کا مطالعہ:

اَلْاِطِّلَاعُ عَلٰی اَخْبَارِ السَّلَفِ فِي مُحَاسَبَتِهِمْ لِاَنْفُسِهِمْ

بزرگوں کے واقعات پڑھے کہ وہ اپنے نفس کا محاسبہ کیسے کرتے تھے؟ اس سے پھر محاسبہ کرنے کی عادت پیدا ہوگی۔

۳ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا:

صُحْبَةُ الْاَخْيَارِ

نیک لوگوں کی صحبت میں رہنا۔

کیونکہ نیک لوگوں کی صحبت میں رہنے سے انسان کو اپنے نفس کو دیکھنے کا موقع مل جاتا ہے۔

۴ اپنے نفس سے سوءِ ظنی رکھنا:

سُوْءُ الظَّنِّ بِالنَّفْسِ

پھر اپنے نفس کے ساتھ سوئے ظن رکھنا۔

کچھ لوگ تو نفس کے ساتھ دوستی کرتے ہیں کہ جو جی میں آیا میں وہ کروں گا۔ بھئی! کرنا تو وہ ہے جو رب کہے، نفس کے کہے پر چلنا انسان کو مشکل میں ڈالتا ہے۔

⑤ اللہ کے حضور پیشی کا خوف ہونا:

ذِكْرُ الْحِسَابِ الْاَكْبَرِ وَالسُّؤَالُ بَيْنَ يَدَيِ الْجَبَّارِ

اللہ کے سامنے قیامت کے دن پیشی اور اس کے سامنے سوال و جواب کو یاد کرنا۔

اس کو یاد رکھنے سے بھی محاسبہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ آج تو گناہ کرنا آسان ہے کل قیامت کے دن اس کا جواب دینا مشکل کام ہے۔ سوچیے! کہ آج کسی بندے کو کمینہ کہنا، ذلیل کہنا، بے ایمان کہہ دینا، یہ بہت آسان ہے اور کل قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ بتا تو نے اسے کمینہ کیوں کہا تھا؟ ذلیل کیوں کہا تھا؟ بے ایمان کیوں کہا تھا؟ اس وقت جواب دینا مشکل کام ہوگا، کیونکہ وہ ایسا دن ہوگا کہ انبیا بھی تھرتھراتے ہوں گے۔

⑥ علم اور وعظ کی مجالس میں شریک ہونا:

حُضُوْرُ مَجْلِسِ الْعِلْمِ وَالْوَعْظِ

وعظ و نصیحت کی مجلس میں آنا، اس سے بھی انسان کو محاسبہ کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

⑦ غفلت کے مقامات سے دور رہنا:

اَلْبُعْدُ عَنْ اَمَاكِنِ اللَّهْوِ وَالْغَفْلَةِ

''غفلت کے مقام سے دور رہنا''

۸ زیارتِ قبور کرنا:

زِيَارَةُ الْقُبُوْرِ

''قبرستان کو دیکھنا اور اپنی قبر کو یاد کرنا''

۹ اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھنا:

اَنْ تُقَارِنَ بَيْنَ نِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ بَيْنَ اَفْعَالِكَ

اپنے عملوں کو بھی دیکھے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھی دیکھے اور پھر ان کا تقابل کرے کہ نعمتیں کتنی ہیں اور میں نیکیاں کتنی کرتا ہوں؟ اس سے انسان کا دل شرمندہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو بے انتہا ہیں اور ان کی نسبت میرے اعمال تو بہت تھوڑے ہیں، نہ ہونے کے برابر ہیں۔

۱۰ تہجد کی پابندی کرنا:

قِيَامُ اللَّيْلِ وَ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ وَحُضُوْرُ الْقَلْبِ

تہجد پڑھنا قرآن کی تلاوت کرنا اور خلوت کے اندر بیٹھ کر اپنی زندگی پر نظر دوڑانا، یہ چیز انسان کے لیے آخرت کے حساب کو آسان کرنے کا سبب بن جاتی ہیں۔

ہمارے بزرگوں نے محاسبۂ نفس کے فوائد بیان کیے ہیں۔ چونکہ فوائد کو سمجھنے سے انسان کام کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، اس لیے ان فوائد کو ذرا سامنے رکھیں جو ہمیں محاسبہ نفس کے کرنے پر ملیں گے۔

○ لقائے الٰہی کی تیاری:

پہلی بات

اَلْاِسْتِعْدَادُ لِلِقَاءِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ اَلَّذِیْ سَوْفَ یَکُوْنُ بَیْنَ یَدَیْہِ الْحِسَابُ

''اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تیاری کرنا کہ جس کے سامنے حساب کتاب ہوگا''

کیونکہ محاسبہ کرنے والا اس بات کو سمجھتا ہے کہ میں نے عنقریب حساب کتاب کے لیے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ اگر میں کوئی غلطی کروں گا تو وہاں شرمندگی ہوگی۔

احمد بن قیس رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے۔ ان کی ایک عجیب عادت تھی۔ اگر کبھی دل میں گناہ کی خواہش پیدا ہوتی تھی تو جو ''دیا'' جل رہا ہوتا اس کے شعلے میں اپنی انگلی ڈال دیتے۔ جب انگلی جلنے کی وجہ سے تکلیف ہوتی تو پھر وہ اپنے آپ کو سمجھاتے کہ یہ آگ جہنم کی آگ سے ستر گنا کم ہے، تم سے یہ برداشت نہیں ہوتی تم گناہ کر کے جہنم کی آگ کو کیسے برداشت کر سکتے ہو؟

اور واقعی اگر کبھی بندے کا کوئی گناہ کرنے کا دل چاہ رہا ہو تو وہ آگ کے قریب بیٹھ کر سوچے کہ اس آگ کے قریب بیٹھنے سے میرا یہ حال ہو رہا ہے، اگر آگ کے اندر ہاتھ ڈال دوں تو پھر میرا حال کیا ہوگا؟ اور یہ آگ تو جہنم کی آگ سے ستر گنا کم ہے تو پھر جہنم میں ہمارا کیا حال ہوگا؟

○ روزِ محشر حساب آسان:

یُخَفَّفُ عَنَّا حِسَابُ الْاٰخِرَۃِ

''آخرت میں حساب کتاب میں آسانی کر دی جاتی ہے''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا یَخِفُّ الْحِسَابَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَنْ حَاسَبَ نَفْسَهٗ فِی الدُّنْیَا

''جو شخص دنیا میں اپنا محاسبہ خود کرے گا، اللہ قیامت کے دن اس کے حساب کو آسان فرما دیں گے۔'' (الترمذی، رقم الحدیث: ۲۳۸۳)

کتنا اچھا مضمون اس میں بیان فرمایا گیا ہے! کیا یہ آسان نہیں ہے کہ اگر گناہ کریں تو اپنے نفس کو خود سزا دے دیں؟ جب خود سزا دے دیں گے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حساب کو آسان فرما دیں گے۔

چنانچہ کعب احبار رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا:

وَیْلٌ لِمَلِكِ الْاَرْضِ مِنْ مَلِكِ السَّمَآءِ

''دنیا کے بادشاہ کے لیے آسمان کے بادشاہ کی طرف سے ویل (جہنم) ہے''

تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

اِلَّا مَنْ حَاسَبَ نَفْسَهٗ

بربادی تو تب ہوگی جب وہ اپنا محاسبہ نہ کرے۔

کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے: اِنَّهَا فِی التَّوْرَاةِ لَتَا بِعَتُهَا (تورات میں ایسے ہی لکھا ہوا تھا) کہ بربادی ہے اس بادشاہ کے لیے جو اللہ کے سامنے پیش ہو اور اپنا محاسبہ نہ کیا ہو۔

خَرَّ سَاجِدًا (کنزالاعمال، رقم: ۳۵۷۹۷)

''(عمر رضی اللہ عنہ) سجدے میں گر گئے''

شکر کا سجدہ ادا کیا کہ اللہ! میری زبان سے وہ لفظ نکلے جو پہلے تیری کتاب میں نازل ہو چکے تھے۔ تو اپنا محاسبہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کو ایک پسندیدہ عمل ہے۔

○ توبہ کی توفیق ملتی ہے:

طَرِيقٌ لِاِسْتِقَامَةِ الْقُلُوْبِ وَ تَزْكِيَةِ النُّفُوْسِ

پھر اپنا محاسبہ کرنے سے انسان کو توبہ کی بھی توفیق مل جاتی ہے۔ پھر انسان کو اپنے عیوب کا پتہ بھی چلتا رہتا ہے۔ آج تو زبان سے انسان جھوٹ بولتا ہے، اپنے کان نہیں سنتے۔ اپنے ہاتھوں سے ایک عمل کرتا ہے اپنی آنکھیں نہیں دیکھتیں۔ انسان کتنا اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے۔

ایک صاحب انجینئر تھے، ہمیں ان کی زندگی کا پتہ تھا کہ فسق و فجور والی زندگی ہے۔ فلمیں بھی دیکھتے، ڈرامے بھی دیکھتے، حلال حرام کا بھی پتہ نہیں، غیر محرم کو بھی دیکھتے، گانے بھی سنتے اور فرض نمازیں بھی نہیں پڑھتے تھے۔ عجیب غفلت کی زندگی تھی۔ ایک مرتبہ کہیں اکٹھا بیٹھنے کا موقع مل گیا تو اس عاجز نے ان کے سامنے توبہ کا موضوع چھیڑ دیا کہ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی کوتاہیوں سے اللہ کے سامنے توبہ کر لیں، اللہ سے معافی مانگ لیں۔ کوئی آدھا گھنٹہ میں نے اس کے سامنے توبہ کی بات کی۔ میری بات سننے کے بعد اس نے نتیجہ کیا نکالا؟ کہنے لگا: آپ نے بہت اچھی باتیں بتائیں، دل بہت متاثر ہوا۔ پھر کہتا ہے: جی! اپنے ارادے سے تو کبھی گناہ کیا نہیں، ہاں! بغیر ارادے کے ہو گیا ہو تو اللہ معاف کر دے۔ اتنی حیرت ہوئی اس کی بات سن کر کہ یا اللہ! انسان اتنا بھی اندھا ہو جاتا ہے کہ ایسی اس کی زندگی ہے، زبان سے فحش گالیاں یہ نکالتا ہے...... غیبت یہ کرتا ہے...... آنکھ کی حفاظت نہیں کرتا...... نمازوں کی حفاظت نہیں کرتا اور پھر توبہ کی بات سن کر کہتا ہے: جی! اردادے سے تو کبھی گناہ کیا نہیں بغیر ارادے کے ہو گیا ہو تو اللہ معاف کر دے۔ توبہ کی، وہ بھی ادھوری۔ کبھی کبھی انسان اتنا غفلت میں پڑ جاتا ہے!

○ گناہوں سے دوری:

اَلْبُعْدُ عَنِ الْمَعَاصِیْ

انسان جب اپنا محاسبہ کرتا رہتا ہے تو پھر وہ گناہوں کے مواقع سے ہوشیار رہتا ہے، چنانچہ پھر گناہوں سے بچ جاتا ہے۔

○ زہد نصیب ہوتا ہے:

اَلزُّهْدُ فِی الدُّنْیَا

دنیا میں اس کو زہد نصیب ہو جاتا ہے۔

محاسبۂ نفس کرتے رہنے سے پھر دل میں دنیا کی محبت گھر نہیں کرتی، بندہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں دل کو لگانا فضول ہے۔

○ معرفتِ حق پیدا ہوتی ہے:

مَعْرِفَةُ حَقِّ اللّٰهِ وَ كَرَمِهٖ وَ عَفْوِهٖ

اللہ تعالیٰ کے حقوق کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ اس کے کرم اور عفو درگزر کا دل میں احساس پیدا ہوتا ہے۔

○ ادائیگیِ حقوق کا احساس:

رَدُّهُ الْحُقُوْقُ اِلٰی اَهْلِهَا

جن کے حقوق دینے ہوتے ہیں انسان پھر ان کے حقوق ادا کرتا ہے۔

حقوق کی ادائیگی میں وہ ذراسی بھی کوتاہی نہیں کرتا۔ کیونکہ محاسبہ کی عادت کی وجہ سے حقوق میں کسی قسم کی کمی بیشی سے اس کا ضمیر فوراً اس کو آگاہ کرتا ہے اور ملامت کرتا ہے کہ یہاں یہ کمی رہ گئی ہے اسے پورا کرو۔

محاسبۂ نفس میں اکابر کا معمول

اب محاسبۂ نفس کے بارے میں ہمارے بزرگوں کا معمول کیا تھا؟ وہ اللہ تعالیٰ سے معافیاں مانگتے تھے۔ خود نبی ﷺ نے یہ الفاظ فرمائے:

وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا

''اور ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اپنے نفس کے شر سے اور اپنے برے اعمال سے'' (ابن ماجہ، رقم الحدیث:۱۸۸۲)

تو نفس کے شرور سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا سبق نبی علیہ السلام نے سکھایا کہ تم اللہ سے پناہ مانگو۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ:

صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے کسی عمل میں ذرا فرق دیکھتے تو فوراً ان کو شک ہو جاتا تھا۔ مشہور واقعہ ہے کہ حنظلہ رضی اللہ عنہ گھر میں ہیں اور دیکھا کہ جو کیفیت نبی علیہ السلام کی صحبت میں ہوتی ہے، گھر میں آ کر وہ کیفیت نہیں رہتی۔ چنانچہ بیوی بچوں میں آ کر کہنے لگے: حنظلہ منافق ہو گیا...... حنظلہ منافق ہو گیا...... اتنی سی بات پر انہوں نے اپنے آپ کو منافق کہنا شروع کر دیا۔ پھر نبی علیہ السلام کی خدمت میں پوچھنے کے لیے چلے تو راستے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی مل گئے۔ پوچھا: حنظلہ! کیا معاملہ ہے؟ کہنے لگے: میری نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں کیفیت اور ہوتی ہے، گھر میں کیفیت اور ہوتی ہے، یہ تو منافقت ہو گئی۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: بھئی! معاملہ تو ہمارا بھی اسی طرح کا ہے چلو ہم بھی پوچھتے ہیں۔ جب آپ ﷺ سے جا کر پوچھا تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ حنظلہ! یہ کیفیت بندے کی ہر وقت نہیں ہوتی۔ سَاعَةً وَّ سَاعَةً، کبھی کبھی بندے کی ہوتی

ہے۔ اگر ہر وقت تمہاری وہ کیفیت رہتی جو میری صحبت میں رہتی ہے تو راستہ چلتے ہوئے فرشتے تم سے مصافحہ کرنے کے لیے آتے۔ (المسلم، رقم الحدیث: ۲۷۵۰)

اس واقعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے نفس کا کس طرح محاسبہ کرنے والے تھے۔

ربیع رحمۃ اللہ علیہ:

ربیع رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے۔ ان کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی چارپائی کے نیچے ایک قبر کھودی ہوئی تھی۔ جب کبھی وہ چارپائی پر لیٹتے تو اگر کوئی گناہ کا خیال آتا یا ذہن میں غفلت آتی تو وہ چارپائی کو لپیٹ دیتے اور قبر کے اندر سو جاتے اور قبر کے اندر سو کر وہ تصور کرتے کہ میں اس وقت مر گیا...... مجھے میرے لوگوں نے قبر میں اتار دیا...... اب وہ قبر کو بند کرنے والے ہیں...... منکر نکیر آنے والے ہیں، اب بتا تو کیا جواب دے گا؟ پھر تھوڑی دیر بعد نکلتے تھے اور ان کے نفس کی وہ غفلت کی کیفیت ختم ہو جاتی تھی۔ اس طرح ہمارے بزرگ اپنے آپ کو یاددہانی کروایا کراتے تھے۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ:

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ وفات کے وقت کے قریب بیٹے کو بلایا اور بہت رو رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا آپ تو صحابی ہیں، آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کہنے لگے: اچھا ذرا مجھے اٹھا کر بٹھا دو۔ انہوں نے اٹھا کر بٹھا دیا۔ جب بیٹھ گئے تو فرمایا کہ دیکھو بھئی! میری زندگی کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ کفر پر ہے، یہ وہ زمانہ تھا جب مجھے نبی علیہ السلام سے سب سے زیادہ دشمنی تھی اور میرا دل چاہتا تھا کہ میرا بس چلے تو میں ان کو

جان سے ہی ختم کر دوں۔ میں اس وقت کفر کے اوپر تھا، اگر میں اس زمانے میں مر جاتا تو سیدھا جہنم میں چلا جاتا، مگر اللہ نے مجھ پر رحمت کی کہ اللہ نے اسلام کی توفیق عطا فرمادی۔ پھر مجھے نبی علیہ السلام سے اتنی محبت ہوگئی کہ میں نبی علیہ السلام کے چہرۂ انور کو دیکھتا رہتا تھا، آپ کے حسن کا اتنا زیادہ میرے اوپر اثر تھا۔ میرا یہ وہ وقت تھا کہ اگر اس وقت مجھے موت آجاتی تو میں سیدھا جنت میں چلا جاتا۔ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے گئے، یہ میری زندگی کا تیسرا دور ہے، میں اپنی زندگی کے اس دور سے ڈر رہا ہوں کہ اس میں جو میں نے عمل کیے ان کا جواب میں اپنے اللہ کے سامنے کیسے دے سکوں گا؟

یہ صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور نبی علیہ السلام کے پردہ فرمانے کے بعد جو دنیا میں وقت گزرا اس کے اوپر افسوس کر رہے ہیں۔ ہمارا کیا حال ہوگا؟ ہم اپنی زندگی کے بارے میں کتنا سوچتے ہیں؟

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جب اپنا محاسبہ کرتے تھے اور رات کو اتنا روتے تھے کہ بسا اوقات ان کو روتا دیکھ کر ان کے پڑوسی بھی رونے لگ جاتے تھے۔

حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ:

ایک بزرگ گزرے ہیں حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا نام محاسبی اس لیے پڑ گیا کیونکہ وہ اپنا محاسبہ بہت زیادہ کرتے تھے۔

ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ:

ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ چیف جسٹس تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے کسی مقدمے کا فیصلہ کیا تو ایک فریق نے کہا کہ جج صاحب آپ نے فیصلہ ٹھیک نہیں کیا، آپ نے

اس کی سائیڈ لی ہے۔ جب اس نے یہ کہا تو انہوں نے کہا:

''وَاللّٰہِ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ مَا تَکَلَّمْتُ بِکَلِمَۃٍ مُنْذُ اَرْبَعِیْنَ عَامًا اِلَّا وَ اَعْدَدْتُ لَھَا جَوَابًا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ''

''اللہ کی قسم کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں! چالیس سال گزر گئے میری زبان سے کوئی لفظ ایسا نہیں نکلا جس کو میں نے اللہ کے سامنے پیش نہ کیا ہو (کہ میں نے یہ فیصلہ ٹھیک دیا یا نہیں)۔''

اب بتائیں کہ چالیس سال سے منہ سے نکلنے والی ہر بات کا وہ جائزہ لیا کرتے تھے کہ میرا کوئی لفظ حقیقت کے خلاف تو نہیں نکلا۔

بعض حضرات ایسے بھی تھے کہ جو بات دن میں کیا کرتے تھے اس کو کاغذ پر لکھ لیا کرتے تھے اور رات سونے سے پہلے اس کاغذ کو پڑھ کر دیکھتے تھے کہ کون سی بات میں نے فالتو کہی، یا گناہ کی بات کہی۔ پھر اس بات پر اللہ کے سامنے استغفار کیا کرتے تھے۔

سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ:

چنانچہ سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ لَمْ یُحَاسِبْ نَفْسَہٗ عَلَی الْخَطَرَاتِ وَ اللَّحْظَاتِ فِی کُلِّ نَفْسٍ لَمْ یُکْتَبْ عِنْدَنَا فِیْ دِیْوَانِ الرِّجَالِ (العهود المحمدیه: ۱/۴۴۱)

''جو بندہ ہر وقت اپنے نفس کے اوپر نظر نہیں رکھتا، ہمارے ہاں مَردوں کی فہرست میں اس کا نام نہیں لکھا جاتا۔''

مَردوں کی فہرست سے مراد اولیاء اللہ کی فہرست ہے۔

اور سید احمد کبیر رفاعی کا تو واقعہ بڑا عجیب ہے۔ اللہ اکبر! انسان پڑھتا ہے تو

حیران ہوتا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے فضائلِ درود شریف میں واقعہ لکھا ہے کہ ان کے دل میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہت محبت تھی۔ اور ان میں اتباع سنت بھی بہت زیادہ تھی۔ اللہ نے ان کو مدینہ طیبہ حاضری کا موقع دیا۔ یہ مواجہ شریف پر حاضر ہوئے اور وہاں پر جا کر انہوں نے ایک شعر پڑھا۔ یہ محبت کی باتیں بھی بڑی عجیب ہوتی ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ قلبی تعلق تو تھا ہی سہی، شعر کیا پڑھا:

فِي حَالَةِ الْبُعْدِ رُوْحِيْ كُنْتُ اُرْسِلُهَا
تُقَبِّلُ الْاَرْضَ عَنِّيْ وَ هِيَ نَائِبَتِيْ

”(اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم!) دوری کی حالت میں میں اپنی روح کو آپ کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا کہ وہ میری نائب بن کر آئے اور اس زمین کے بوسے لے کر جائے۔“

یعنی جب میں اس جگہ سے دور تھا تو اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنی روح کو بھیجا کرتا تھا۔ یعنی بیٹھ کر یاد کرتے ہوں گے تو ایسے جیسے دور سے بیٹھ کر انسان اس زمین کے بوسے لیتا ہے۔

وَ هٰذِهٖ دَوْلَةُ الْاَشْبَاحِ قَدْ حَضَرْتُ
فَامْدُدْ يَمِيْنَكَ كَيْ تَحْظِيَ بِهَا شَفَتِيْ

”اب جب کہ میں خود حاضر ہو گیا ہوں تو اپنا داہنا ہاتھ بڑھایئے تا کہ میں اپنے ہونٹوں سے اس کا بوسہ لے سکوں“ (دیوانِ عبدالغنی نابلسی: ۱/۳۰۶)

اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ نے مجھے آپ کے سامنے حاضری کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اب اپنا دایاں ہاتھ بڑھا دیجیے۔ تا کہ میرے ہونٹوں کو بوسہ لینے کی لذت نصیب ہو جائے۔

جب انہوں نے یہ الفاظ کہے تو مواجہ شریف سے ایک ہاتھ ظاہر ہوا اور سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بوسہ دیا اور اس کو سینکڑوں لوگوں نے دیکھا۔ کوئی تنہائی کا وقت نہیں تھا، سینکڑوں لوگ موجود تھے جنہوں نے دیکھا۔ جب سینکڑوں لوگوں نے دیکھا تو مسجد نبوی کے اندر بات پھیلی کہ ایک بندے کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ جب نماز ختم ہوئی تو لوگ آگے بڑھے کہ سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ سے مصافحہ کریں تو دیکھا کہ احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ مسجد نبوی کے دروازے پر جا کر زمین پر لیٹ گئے اور کہنے لگے کہ جو شخص بھی مسجد میں ہے وہ میرے اوپر سے گزر کر جائے۔ کیوں؟ ایسا نہ ہو کہ میرے نفس کے اندر عجب پیدا ہو جائے۔ کیا سعادت، اللہ نے بخشی اور انہوں نے بھی اپنے نفس کو دیکھو کیسے پامال کیا؟

محاسبِ نفس کا روزِ محشر حساب آسان:

شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ حَاسَبَ نَفْسَهُ اِسْتَحْيَ اللّٰهُ مِنْ حِسَابِهٖ (احیاء علوم الدین: ۱/۱۴۷)

’’جو دنیا کے اندر اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا حساب لینے سے شرم فرمائیں گے۔‘‘

اللہ کو حیا آئے گی کہ میں اس بندے کا حساب کیا لوں یہ تو دنیا میں خود اپنے نفس کو سزائیں دیتا تھا۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اَيْسَرُ النَّاسِ حِسَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِيْنَ يُحَاسِبُوْنَ اَنْفُسَهُمْ فِي الدُّنْيَا (محاسبة النفس لابن ابی الدنیا: ۱/۱۳۴)

’’جو لوگ دنیا میں اللہ کے لیے اپنے نفس کا محاسبہ کرتے ہوں گے، اللہ تعالیٰ

قیامت کے دن ان کا بہت آسان محاسبہ فرمائیں گے“

ہمارے کرنے کا کام:

اب آخری بات کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ تو حدیث مبارکہ سنیے:

حَقِيْقٌ بِالْمَرْءِ اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ مَجَالِسُ يَخْلُوْ فِيْهَا وَ يَذْكُرُ ذُنُوْبَهٗ فَيَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْهَا (فیض القدیر، رقم: ۳۷۵۱)

بندے کو چاہیے کہ ایسی مجالس میں بیٹھے جہاں اللہ کے ساتھ تنہائی اختیار کرے اور سوچے کہ میں نے کون کون سے گناہ کیے، پھر اللہ کے سامنے استغفار کرے۔

تو ہمیں چاہیے کہ ایسی مجالس میں شریک ہونے کو اپنے اوپر لازم کرلیں۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

تُحْسِنُ فِيْمَا بَقِيَ يُغْفَرُ لَكَ مَامَضٰى فَاِنَّكَ اِنْ اَسَأْتَ فِيْمَا بَقِيَ اُخِذْتَ بِمَا مَضٰى وَ مَا بَقِيَ (لطائف المعارف، رقم: ۱/۱۰۸)

جو تیری زندگی کا وقت باقی ہے، اس کو تو اپنے لیے اچھا بنا لے۔ اللہ تیرے گزرے ہوئے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔ اس لیے کہ اگر تو آنے والے وقت میں گناہ کرے گا تو اللہ اس آنے والے وقت کی بھی سزا دیں گے اور گزرے ہوئے گناہوں کی بھی سزا دیں گے۔

ہمارے پاس اب ایک ہی راستہ ہے کہ جو گناہ ہم کر چکے ہیں ان کو چھوڑ کر آنے والے وقت میں اللہ کی فرمانبرداری والی زندگی گزارنے کا ارادہ کریں، تاکہ پچھلے بھی گناہ معاف ہوں اور آئندہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہو جائیں۔

محاسبہ پر فکرمند کرنے والی چند آیات:

قرآن مجید کی کچھ ایسی آیات ہیں جو انسان کو بہت زیادہ خوف زدہ کر دیتی

ہیں۔ ان معانی پر بھی ذرا غور کر لیا جائے تو انسان کا دل کانپتا ہے کہ قیامت کے دن میرا کیا بنے گا، ذرا چند آیات کا ترجمہ سن لیجیے:

⊙......اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ﴾ (ق: ۱۰۱)

''تحقیق ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں کہ اس کے نفس کے اندر کیا وسوسے پیدا ہو رہے ہیں''

یعنی جو گناہ کا خیال دل میں چل رہا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس گناہ کے خیال کو بھی دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ اللہ اکبر کبیرا۔

⊙......ایک جگہ فرمایا:

﴿وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ﴾

(البقرۃ: ۲۳۵)

''جان لو اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے، پس تم اللہ سے ڈرو''

⊙......اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾

(بنی اسرائیل: ۳۶)

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سماعت بصارت اور دل ان تمام چیزوں کے بارے میں بندے سے سوال کرے گا''

آنکھوں کو کیسے استعمال کیا؟ اور کانوں کو کیسے استعمال کیا؟ دل کو کیسے استعمال کیا؟

⊙......اسی طرح اور دوسری نعمتوں کا حساب بھی لیں گے، فرمایا:

﴿ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ (تکاثر:۸)

◎......ایک آیت ایسی ہے جو پڑھتے ہوئے بندے پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿لِيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ﴾ (الاحزاب:۸)

”(اللہ تعالیٰ قیامت کے دن) سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں پوچھیں گے“

ایک بزرگ اس آیت کو پڑھ کے روتے تھے اور کہتے تھے، اللہ جن کو آپ سچا بھی کہہ رہے ہیں پھر ان سے پوچھیں گے (یہ تو نہیں کہا کہ جھوٹوں کی سچائی کے بارے میں پوچھوں گا)۔ اے اللہ! قیامت کے دن آپ سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں پوچھیں گے تو پھر ہم جیسے جھوٹوں کا کیا حال ہوگا؟

اس لیے ایک بزرگ تھے، انہوں نے اپنے بیٹے کو کہا کہ تم دکان شروع کرو پیسے میں دے دیتا ہوں مگر حساب مجھے روز دینا۔ اب جو وہ روز حساب لیتے تو حساب کتاب میں سختی کرتے، ایک ایک پیسے کا حساب لیتے۔ بچہ تو تنگ آگیا۔ مہینے بعد کہنے لگا: ابو! مجھ سے تو یہ دکان داری نہیں ہوتی۔ انہوں نے کہا: بیٹے! میں نے تجھ سے یہ دکان داری نہیں کروانی تھی، میں نے تجھے صرف سبق دینا تھا کہ دیکھو! میں صرف دکان کا ایک ایک دن کا حساب لیتا ہوں اور وہ حساب دینا تیرے لیے اتنا مشکل ہے، سوچو! پھر قیامت کے دن پوری زندگی کا حساب اللہ کو دینا کتنا مشکل ہوگا؟

روزِ قیامت پوچھا جائے گا......

اور قرآن مجید کی تو ایک آیت ایسی ہے جس پر ہم سب کو خصوصی طور پر غور کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ لَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (الاعراف:٦)

''ہم ضرور پوچھیں گے ان سے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور ہم ضرور پوچھیں گے رسولوں سے''

اس آیت کو ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھا تھا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھوں سے آنسو آ گئے تھے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ شاید قیامت کے دن صرف رسولوں سے پوچھا جائے گا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ نہیں، اس میں ہر وہ بندہ شامل ہے جو کسی کو دین کی طرف بلاتا ہے اور جو دین کی طرف بلایا جاتا ہے۔ اللہ قیامت کے دن رسولوں سے پوچھیں گے: کیا آپ نے پیغام پہنچانے کا حق ادا کر دیا؟ پھر قوم سے پوچھیں گے کیا تم نے بات سننے کا حق ادا کر دیا۔

اور اس سے اگلی بات: مفسرین نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ استاد اور شاگرد سے بھی پوچھیں گے۔ استاد سے پوچھیں گے: تم نے سمجھانے کا حق ادا کر دیا؟ شاگرد سے پوچھیں گے: تم نے سمجھنے کا حق ادا کر دیا؟

اور تیسری بات: اللہ تعالیٰ پیر اور مرید، دونوں سے پوچھیں گے۔ پیر سے پوچھیں گے: کیا تم نے ان کی اصلاح کے لیے کوشش کرنے کا حق ادا کر دیا؟ اور مرید سے پوچھیں گے کہ اگر انہوں نے تمہیں بار بار کوئی بات سمجھائی تھی تو تم نے ان کی بات ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے کیوں نکال دی؟ کیا تم نے اس پر عمل کیا تھا؟ اب اگر سوچیں کہ قیامت کے دن ہم سے اگر یہ حساب کتاب ہوگا، کس ماں نے بیٹا جنا ہے جو اللہ کے سامنے ان باتوں کا جواب دے سکے؟ قیامت کے دن بربادی کے سوا ہمارا اور کیا ہوگا؟ ہمارے پاس ایک ہی آپشن ہے کہ جو زندگی گزار رہے ہیں بس

ہم اللہ کے سامنے بیٹھ کر یہی کہیں کہ یا اللہ! خطا کار ہیں، گناہ گار ہیں، بہت کوتاہیاں ہو چکی ہیں۔تو ہم پر مہربانی فرما۔ یا اللہ پچھلے گناہوں کو معاف کر دیجیے اور آئندہ ہمیں نیکو کاری کی توفیق دے دیجیے......شریعت پر استقامت عطا فرما دیجیے......اللہ تعالیٰ ہمیں روزانہ اپنے نفس کا محاسبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین ثم آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (عنکبوت:٦٩)

سالک کا طرزِ زندگی

بیان: محبوب العلما والصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: ۲ رجب ۱۴۳۲ھ، بروز جمعہ، مطابق 4 جون 2011ء

موقع: مجلس ذکر میں سالکین سے خطاب

مقام: 22K ڈیفینس ہاؤسنگ سوسائٹی لاہور

اقتباس

ہمارے علما نے لکھا ہے کہ جو بندہ اس دنیا میں اللہ سے دوستی لگانے کی کوششوں میں لگا ہوگا، اللہ کی رحمت سے یہ بعید ہے قیامت کے دن اس کو دشمنوں کی قطار میں کھڑا فرمادیں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ وہ اتنی رحیم ذات ......اتنی کریم ذات ...... اور پھر جو بندہ اللہ سے دوستی لگانے کے لیے کوششیں کررہا ہو...... اللہ کہیں کہ اس کو میرے دشمنوں کی قطار میں کھڑا کرو۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ تو بس یہی دل میں سوچیں کہ ہم تو اللہ کے لیے زندہ ہیں۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

سالک کا طرز زندگی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (عنکبوت:٦٩)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّم

راہِ سلوک میں اہم اور مفید باتیں:

اس وقت کوئی مستقل بیان کرنا مقصود نہیں بس مجلس میں چند باتیں آپ کے ساتھ شیئر کرنی ہیں۔ انسان جس راستے پر چلتا ہے اس کے ذرے بھی نظر آتے ہیں جس راستے پر نہ چل رہا ہو، اس کے پہاڑ بھی نظر نہیں آتے۔ تو راہِ سلوک پر چلتے ہوئے کچھ ایسی باتیں ہیں جو انسان کو فائدہ دیتی ہیں۔ وہ سب کے لیے ہیں۔ ہر خاص و عام، مرد و عورت، جو بھی ہو وہ سب کے لیے برابر ہیں کیونکہ ان کا فائدہ عمومی ہے۔ اس لیے وہ چند باتیں بہت سادہ انداز سے آپ کی خدمت میں پیش کرنی ہیں۔

(۱) باوضو زندگی گزارنا

سب سے پہلی بات کہ سالک کو چاہیے کہ باوضو زندگی گزارنے کی نیت کرے۔ کئی مرتبہ ہم وضو کے ساتھ ہوتے ہیں، کئی دفعہ بغیر وضو کے بھی ہوتے ہیں، اہتمام

نہیں ہوتا۔ یہ اہتمام کریں کہ میں نے آج کے بعد ہر وقت باوضو رہنا ہے۔ شروع میں یہ چیز آپ کو پہاڑ نظر آئی گی، اس لیے کہ عادت جو نہیں۔ مگر کوشش یہ کریں کہ جیسے ہی وضو ٹوٹا، پھر وضو کر لیں...... پھر وضو ٹوٹا، پھر وضو کر لیں...... ہر وقت باوضو رہنے کی کوشش کریں۔ عورتیں کو اپنے خاص ایام میں جب انہوں نے نماز نہیں پڑھنی ہوتی، اس میں گنجائش ہے۔ تاہم مرد لوگ ہر وقت باوضو رہنے کی کوشش کریں۔

باوضو رہنے کے تین بڑے فائدے:

اس کے تین فائدے ہیں۔

پہلا فائدہ......شیطان سے حفاظت:

ایک تو یہ کہ جو شخص باوضو ہوتا ہے اس پر شیطان کا حملہ کم ہوتا ہے۔ یہ تجربہ شدہ بات ہے کہ اگر آپ کسی وقت وساوس محسوس کر رہے ہوں، طبیعت کے اندر گناہ کی رغبت محسوس کر رہے ہوں، آپ اٹھ کر وضو کر لیں آپ کے باطن کی جمعیت پہلے کی نسبت بہتر ہو جائے گی۔ جس طرح غصہ میں آیا ہوا انسان اٹھ کر کھڑا ہو جائے تو غصہ ختم ہو جاتا ہے، کھڑا ہوا چل پڑے تو غصہ ختم ہو جاتا ہے، جگہ بدل دیں تو غصہ ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح وضو کے کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص رحمت ہے کہ انسان کے اوپر گناہ کا جو غلبہ ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ حدیثِ پاک میں فرمایا:

﴿اَلْوُضُوْءُ سَلَاحُ الْمُؤْمِنِ﴾ (دروس الشیخ عائض القرنی)

''وضو مومن کا اسلحہ ہے''

اب یہ اسلحہ کس کام آتا ہے؟ بھئی! صاف ظاہر ہے، یہ کوئی لوہے کا ہتھیار تو نہیں ہے، یہ تو باطن کا معاملہ ہے۔ یہ اسلحہ ہے شیطان دشمن کے مقابلے میں۔ اس لیے با

وضو بندہ شیطان کے خیالات اور وساوس سے، بہت محفوظ رہتا ہے۔

دوسرا فائدہ......نماز اور عبادات آسان:

نماز پڑھنی آسان ہوتی ہے۔ کتنے لوگ ہوتے ہیں جو اس لیے نماز قضا کر بیٹھتے ہیں کہ اچھا جی وضو کرتا ہوں......او جی کیا کریں بس میٹنگ میں تھے، میٹنگ سے اٹھ کر جانا وضو کرنا مشکل تھا......ہم نے دیکھا: ایک صاحب کمپنی کے چیئر مین تھے اور انہوں نے باوضو رہنے کی عادت بنائی ہوئی تھی۔ عین ڈائریکٹرز کی میٹنگ میں جب فل ڈسکشن چل رہی ہوتی تھی، وہ اپنی میٹنگ کو دو منٹ کے لیے روکتے، وہیں پر کھڑے کھڑے دو رکعت فرض پڑھ لیتے تھے، اس لیے کہ وضو جو ہوتا تھا۔ تو وضو ہونے کی وجہ سے نماز پڑھنی بھی آسان ہو جاتی ہے۔ نوافل آسان...... مسنون نمازیں آسان...... فرض نمازیں آسان...... سب چیزیں آسان...... چونکہ باوضو ہوتے ہیں۔

تیسرا فائدہ......باوضو موت:

پھر اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((كَمَا تَعِيشُوْنَ تَمُوْتُوْنَ))

''تم جس حال میں زندگی گزارو گے اسی حال میں موت آئے گی''

تو جس بندے نے زندگی باوضو گزاری ہوگی تو توقع رکھتے ہیں کہ اس کو موت بھی باوضو آئے گی۔

وضو کیسے قائم رہے؟

شروع میں آپ دیکھیں گے کہ آدھا گھنٹہ بھی وضو رکھنا مشکل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ

سے دعا مانگیں، کوشش کریں۔ اگر کھانے پینے کی ایسی چیزیں استعمال کرتے ہیں جو آپ کے پیٹ میں ہوا پیدا کرتی ہیں تو ان سے گریز کریں۔ ہر مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو قربانی دینی پڑتی ہے۔ کچھ لینے کے لیے کچھ دینا پڑتا ہے۔ تو آپ چند دنوں میں اس چیز کو سمجھ لیں گے کہ کیسا کھانا کھاؤں کہ میرا وضو زیادہ دیر تک قائم رہ سکتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک گھنٹہ، دو گھنٹہ، تین گھنٹہ وضو سے رہنا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہوگا۔ آپ کی عادت ہی بن جائے گی۔

دائم الوضو فیملی:

ہمیں ایک مرتبہ ایک بزرگ تھے، ان کے ہاں جانے کا موقعہ ملا۔ وہ تھے امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے۔ ان کا گھر شہر سے ذرا باہر تھا، وہاں نئی نئی کالونی بن رہی تھی اور مسجد نہیں بنی ہوئی تھی۔ جب مغرب کا وقت ہوا تو انہوں نے کہا کہ ہم یہیں پر جماعت کروا لیں گے۔ جب جماعت کروانے کے لیے کھڑے ہوئے تو ان کے خاندان کے چھوٹی عمر کے کوئی پندرہ بیس بچے گراؤنڈ کے اندر فٹ بال کھیل رہے تھے۔ انہوں نے باہر نکل کر آواز لگائی بچو! نماز کے لیے آ جاؤ۔ وہ سارے بچے بھاگتے ہوئے آ گئے۔ پسینہ بھی آیا ہوا تھا، سانس چڑھا ہوا تھا اور آ کر نماز میں کھڑے ہو گئے۔ خوشی ہوئی کہ بچے اذان پر بلانے پر فوراً آ گئے لیکن حیرت بھی ہوئی کہ کیا سارے بچے باوضو تھے؟ صاحبِ خانہ نے حیرت کو بھانپ لیا۔ جب نماز پڑھ لی تو وہ کہنے لگے: حضرت! ہمارے بزرگوں میں ایک عادت چلی آ رہی ہے کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے اور تھوڑا سمجھ دار ہو جاتا ہے تو اس کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ تم نے پوری زندگی باوضو گزارنی ہے۔ اس وجہ سے ہمارے گھر کا کوئی بچہ جو آپ کو پانچ سال سے اوپر کی عمر میں ملے گا ہر وقت آپ کو باوضو نظر آئے گا۔ سوچیں کہ اگر

خاندانوں کے خاندان باوضوزندگی گزار سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں گزار سکتے؟

وضو پر اللہ کی مدد:

یہ وضو انسان کو ہر دشمن سے بچاتا ہے۔ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سفر پر جارہا تھا، راستہ بھول گیا۔جنگل میں سمجھ نہیں آرہی تھی کہ میں کہاں جاؤں؟ تو مجھے ایک پادری کا گھر نظر آیا۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، کافی دیر کھٹکھٹاتا رہا لیکن کوئی جواب نہ آیا۔ میں سمجھ گیا کہ یا اندر کوئی ہے نہیں یا کھولنا نہیں چاہتا۔حتیٰ کہ میں تھک کر بیٹھ ہی گیا۔جب بالکل توقع ہی نہیں رہی، اس وقت ایک شخص نے اچانک دروازہ کھولا۔وہ پوچھنے لگا کہ آپ کون ہیں؟ میں نے بتایا کہ بھئی! میں مسافر ہوں اور راستہ بھول گیا ہوں، آپ سے راستہ پوچھنے کے لیے اس رات کے وقت میں آپ کا دروازہ کھٹکھٹایا ہے، آپ کو پریشان کیا۔تو وہ مطمئن ہو گیا اور کہنے لگا: اصل میں وجہ یہ ہے کہ میں جنگل میں ہوں اور رات کے وقت اگر میرا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے تو مجھے نہیں پتہ ہوتا کہ میں باہر نکلوں گا تو دوست سامنے ہوگا یا دشمن، جب آپ نے بار بار دروازہ کھٹکھٹایا تو مجھے محسوس تو ہوا کہ مجھے دروازہ کھولنا چاہیے، کوئی غرض مند انسان ہے۔لیکن میں نے پہلے وضو کیا۔چونکہ ہمارے کتابوں میں یہ بات لکھی ہوئی چلی آرہی ہے کہ جب انسان وضو کر لیتا ہے اللہ اس کے دشمن کے مقابلے میں مددگار بن جاتا ہے۔وضو کرنے کے بعد پھر میں نے دروازہ کھولا۔

مشائخ کی وضو پر مداومت:

ہمارے بزرگوں کو تو عادت ہی ہر وقت باوضو رہنے کی تھی۔ بلکہ بعض ایسے ہیں کہ اتنا وہ باوضو رہتے تھے کہ ان کو بے وضو دیکھنا مشکل ہوتا تھا۔ہمارے حضرت مرشد

عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنی زندگی میں بیت اللہ کو کبھی بے وضو نہیں دیکھا۔ اور کتابوں میں لکھا ہے کہ ہمارے سلسلے میں ایسے بھی بزرگ گزرے ہیں کہ جنہوں نے اپنے شیخ کے چہرے کو کبھی بلا وضو نہیں دیکھا۔ چونکہ عادت ہی باوضو رہنے کی تھی۔

عشاء کے وضو سے فجر کی نماز:

آج اگر کسی کو ہم کہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی اور چالیس سال یہ معمول رہا تو کئی لوگ تو حیرت سے اچھل ہی پڑتے ہیں۔ کہتے ہیں جی! چالیس سال عشا کے وضو سے فجر کی نماز، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ایک دفعہ ایک صاحب آگئے، کہنے لگے کہ جی آپ ایسی گھڑی ہوئی بات کیوں کرتے ہیں؟ میں نے پوچھا یہ بات کیوں گھڑی ہوئی ہے؟ کہنے لگا: جی یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ چالیس سال عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہو؟ کیا وہ شادی شدہ نہیں تھے؟ میں نے کہا: کیا شادی شدہ ہونے کے لیے عشا سے فجر کا وقت ضروری ہے؟ پھر یہ بتاؤ! کہ بعض دفعہ بات عرف میں کر دی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک بزرگ تھے، وہ عالم بنے اور مدرسے میں پڑھانا شروع کر دیا، پینتیس سال پڑھانے کے بعد ان کی وفات ہوگئی۔ تو لوگ بات کرتے ہیں کہ ساری عمر میں پڑھنے پڑھانے میں گزار دی۔ تو یہ عرفاً کہا جاتا ہے، اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ جمعہ کی چھٹی بھی نہیں کرتے تھے...... کبھی بیمار بھی نہیں ہوتے تھے...... بھائی الفاظ کو کیوں پکڑتے ہیں؟ مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں۔

شریعت بھی عرف کو مانتی ہے۔ قرآن مجید کی ایک آیت ہے: ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (النحل:۸۹) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کتاب کے اندر ہر چیز کی رہنمائی ہے۔ اب میں کُلّ کے لفظ کو پکڑ کر بیٹھ جاؤں کہ جی قرآن مجید کے اندر انجینئرنگ بھی ہے، ڈاکٹری بھی ہے، ہومیوپیتھک بھی ہے۔ کیونکہ ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ کا لفظ

آ گیا ہے۔تو کہیں گے: بیوقوف انسان! ہدایت کے لیے جن اصولوں کی ضرورت ہے وہ کل رہنمائی اس کے اندر موجود ہے۔کل کے لفظ کو مت پکڑ و عرف کو سمجھو۔

ملکۂ بلقیس ایک ملکہ تھی۔قرآن مجید نے کہا:

﴿وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (النمل:۲۳)

''ہر چیز اس کے پاس تھی''

اب کوئی پوچھے کہ کیا ریفریجریٹر تھا......ائر کنڈیشنر تھا......لینڈ کروزر گاڑی تھی......ہوائی جہاز تھا؟ او جی! قرآن جو کہہ رہا ﴿كُلِّ شَيْءٍ﴾ ہر چیز اس کے پاس تھی۔تو اسے کہیں گے: بے وقوف انسان! اس کا یہ معنیٰ ہے کہ اُس زمانے میں جو کچھ بادشاہوں کے پاس ہوا کرتا تھا، وہ سب کچھ اس کے پاس موجود تھا۔لیکن لفظ کُل کا لگا دیا۔اصول بھی ہے کہ لِلْاَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ اکثر کے لیے کُل کا حکم لگا دیتے ہیں۔

اسی طرح اگر یہ کہہ دیا جائے کہ چالیس سال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول رہا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ درمیان میں کبھی وضو ٹوٹا نہیں ہوگا، یا ضرورت نہیں پڑی ہو گی یا بیمار نہیں ہوئے ہوں گے۔یہ تو زندگی کا ایک معمول بتایا جاتا ہے۔

حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا دوامِ وضو:

جو لوگ اللہ والوں کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں ان کو اس کا تجربہ بھی ہو جاتا ہے۔ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کی عمر تقریباً نوے سال تھی۔ایک مرتبہ اس عاجز کو رمضان کے مہینے میں ان کی خدمت کا موقع ملا۔مری میں ایک مسجد ہے، جہاں پر رمضان شریف کے آخری عشرے میں قرأت کانفرنس کروائی جاتی ہے۔پورے ملک سے قرأ کو بلایا جاتا ہے۔ہمارے حضرت تو پھر قرآن کے عاشق تھے، ہماری خوش نصیبی کہ ہم حضرت کی خدمت میں وہاں موجود تھے۔

حضرت نے مغرب کی نماز کے بعد کھانا کھایا، پھر وضو فرمایا اور وضو فرمانے کے بعد کہنے لگے کہ بھئی! جلدی مسجد چلو! مجھے آگے جگہ لینی ہے۔ ابھی آدھا پونا گھنٹہ عشاء میں باقی تھا۔ وہ ہماری طرح نہیں تھے کہ منٹوں کو بیٹھے دیکھ رہے ہوتے کہ ابھی تین منٹ باقی ہیں...... دو منٹ باقی ہیں...... پونا گھنٹہ پہلے چلے گئے۔ پہلے انتظار میں بیٹھے رہے۔

آج کل نماز کے انتظار میں بیٹھنے والی سنت کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ آج کل یہ ختم ہوتی جا رہی ہے۔ نوجوانوں کو دیکھا کہ مسجد کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ابھی تو جماعت میں پانچ منٹ ہیں۔ پانچ منٹ ہیں تو اندر جا کر بیٹھو! ذکر کرو! تلاوت کرو! مگر شیطان ایسا بہکا دیتا ہے کہ بیٹھے ہیں مسجد کے دروازے پر کبھی سیاست کی باتیں...... کبھی غیبت کی باتیں...... اندر نہیں جاتے۔

تو حضرت وہاں آدھا گھنٹہ پہلے تشریف لے گئے اور جا کر حضرت نے عشا کی نماز ادا کی۔ پھر تراویح میں قرآن سنا۔ پھر قرآن کانفرس شروع ہوئی۔ تو مختلف قرأ نے قرآن پڑھنا شروع کیا۔ حضرت تو ایسے خوش تھے جیسے بچے عید کے دن خوش ہوتے ہیں۔ اتنی لمبی محفل چلی کہ سحری کا وقت ختم ہونے میں ایک گھنٹہ باقی رہ گیا۔ تو مسجد کمیٹی نے اعلان کروایا کہ بھئی! اب مجلس ختم ہوتی ہے، سب کے کھانے کا بندوبست کیا گیا ہے، صحن میں دسترخوان بچھا دیا گیا ہے، ایک گھنٹہ باقی ہے، سب اٹھیں اور سحری کر لیں۔ تو یہ عاجز حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کہ شاید حضرت کمرے میں جائیں گے، وضو تازہ کریں گے کیونکہ ساری رات ہی گزر گئی۔ حضرت کے قریب جا کر پوچھا: حضرت! آپ کمرے میں وضو تازہ کرنے جائیں گے؟ حضرت نے فرمایا: نہیں۔ عاجز پیچھے ہٹ گیا۔ حضرت نے وہیں عوام الناس کے ساتھ

دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اب دیکھیں کہ شوگر کا مریض ......نوے سال کی عمر......
مغرب کا وضو......اور سحری مسجد میں ہو رہی ہے۔ جب سحری کر لی تو کھانے کے بعد تو نوجوانوں کو بھی ضرورت پڑتی ہے وضو کرنے کی۔ چنانچہ میں پھر قریب گیا، حضرت! اب تو آپ نے کھانا کھالیا، وضو کے لیے تشریف لے جائیں گے؟ حضرت نے میری طرف دیکھا اور پھر فرمایا: ''میرا وضو کوئی کچا دھاگا ہے؟'' عاجز خاموش ہو گیا۔

اب اس کے بعد فجر کا وقت ہو گیا۔ رمضان المبارک میں عام طور پر فجر کی نماز اول وقت میں پڑھی جاتی ہے، چونکہ لوگ جاگ رہے ہوتے ہیں، اگر اسفار کا انتظار کریں تو شیطان لوگوں کے فرض ہی قضا کروا دے گا۔ میٹھی نیند سلا دے گا۔ پیٹ جب بھرا ہوتا ہے تو نیند بھی خوب آتی ہے۔ لہٰذا اوّل وقت میں نماز ادا کر لیتے ہیں، یوں اس سنت پر بھی عمل نصیب ہو جاتا ہے۔ تو اول وقت میں نماز ہوئی۔ اس عاجز کا خیال تھا کہ حضرت بس سلام پھیرتے ہی کہیں گے کہ چلو کمرے میں۔ حضرت نے سلام پھیرا اور اٹھ کر ممبر کے اوپر بیٹھ گئے اور قرأ حضرات کو فرمانے لگے: ''ساری رات تم نے قرآن پڑھا، اب میں تمہیں قرآن سناؤں گا'' اللہ اکبر اور ہمارے حضرت کا صبح کا درسِ قرآن تو معروف تھا۔ درس قضا نہیں ہونے دیتے تھے۔ حضرت فرماتے تھے کہ مجھے اسی پر تو روزینہ ملتا ہے۔ جہاں ہوتے تھے درسِ قرآن پکا ہوتا تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ جیسے رمضان المبارک میں جماعت کے لوگ کتاب کی تعلیم کرواتے ہیں اسی طرح دو چار منٹ کی کچھ بات کر دیں گے۔ لیکن نہیں! حضرت نے تو بھرپور درسِ قرآن دیا۔ کہا کہ دیکھو! تم سب قرأ ہو، عالم ہو، مجھے کسی آیت کا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں فقط آیتیں پڑھوں گا۔ اب حضرت ایک آیت پڑھ رہے ہیں...... پھر دوسری آیت اس کے مؤید کے لیے...... پھر تیسری آیت...... پھر چوتھی آیت......

پھر اس کا مضمون ملا رہے ہیں، یا اللہ! عجیب قرآن مجید کے اندر ڈوبے ہوئے بیان کر رہے تھے! اتنا لمبا بیان کیا حتیٰ کہ اشراق کا وقت ہو گیا۔ اور مجال ہے کہ مجمع میں سے کوئی اٹھ کر گیا ہو۔ آج ہمارے تو درس قرآن ہوتے ہیں کہ آدھے لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں یا اونگھ رہے ہوتے ہیں اور حضرت کے درسِ قرآن میں تو چڑیا کو پر مارنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ بالکل کسی کو آنکھ بند نہیں کرنے دیتے تھے۔ اب جب اشراق کا وقت ہوا تو حضرت نے درس ختم کیا اور اشراق کے نوافل پڑھے اور پھر اس عاجز کے ساتھ کمرے میں آئے اور آکر وضو کی دوبارہ تجدید کی۔ لوگ عشا کے وضو سے فجر کی نماز کی باتیں کرتے پھرتے ہیں، ہم نے اپنی زندگی میں اپنے بزرگوں کو نوے سال کی عمر میں...... شوگر کی بیماری کے ساتھ...... مغرب کے بعد کے وضو سے اشراق کی نماز خود پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ کیا چیز ہے؟ یہ اصل میں تو اللہ کی طرف سے توفیق ملتی ہے، اللہ تعالیٰ توفیق دے دیتے ہیں۔ جب انسان عادت بنا لیتا ہے دو گھنٹے، چھ گھنٹے، آٹھ گھنٹے دس گھنٹے باوضو رہنا کوئی مشکل نظر نہیں آتا۔

توفیق اللہ کی طرف سے ہے:

ہم کتنے نوجوانوں کو جانتے ہیں کہ جو صبح دفتر جاتے ہوئے وضو کر کے اشراق کی نماز پڑھ کر جاتے ہیں اور اسی وضو سے عشا کی نماز ادا کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! انسان جس میدان میں قدم رکھتا ہے پھر اس کی حقیقتیں کھلتی ہیں۔ اس کا تعلق اصل میں توفیق کے ساتھ ہے۔ جب آپ نیت کر لیں گے، کوشش شروع کریں گے، دعائیں مانگیں گے پھر اللہ تعالیٰ آسان کر دیں گے۔ اور باوضو رہنے کی برکتیں آپ پائیں گے۔ ایک نور دل میں محسوس ہوگا، انابت الی اللہ، رجوع الی اللہ کی کیفیت دل میں محسوس ہوگی۔ چونکہ آپ باوضو ہوں گے۔

(۲) مسنون دعاؤں کا اہتمام کرنا

دوسری بات یہ ہے کہ اپنی زندگی میں مسنون دعاؤں کا اہتمام کریں۔ اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ مختلف چیزوں سے نفع اٹھانے کے طریقے مختلف ہوتے ہیں۔ آگ سے نفع لینے کے طریقے اور ہیں، ہوا سے نفع لینے کے طریقے اور ہیں، پانی سے نفع لینے کے طریقے اور ہیں۔ ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ذات جو زمین و آسمان کے خزانوں کی مالک ہے، اس اللہ کی ذات سے نفع لینے کے طریقے کیا ہیں؟ اس بات کو سمجھانے کے لیے انبیائے کرام دنیا میں تشریف لائے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ بات سمجھانے کے لیے تشریف لائے کہ لوگو! اگر تم میرے طریقے پر چلو گے تو اللہ کے خزانوں سے سب سے زیادہ نفع اٹھانے والے تم بن جاؤ گے۔ چنانچہ اللہ کے حبیب ﷺ نے اعمال سکھائے۔ ایسی دعائیں سکھائیں کہ جن کو انسان مانگے تو اللہ کے خزانوں سے بے حساب ملتا ہے، امیدوں سے بڑھ کر ملتا ہے۔

مسنون دعاؤں کے الفاظ پر عقلِ انسانی کی رسائی ناممکن:

یہ یاد رکھیں کہ اللہ کے حبیب ﷺ نے ایسی ایسی دعائیں مانگی ہیں کہ قسم اٹھا کر کہا جاسکتا ہے کہ اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ دعائیں نہ سکھائی ہوتیں تو انسانی عقل کی اتنی پرواز ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ وہ ایسا مضمون سوچ سکتی۔ انسان اپنی عقل سے وہ مضمون سوچ ہی نہیں سکتا تھا، ایسی ایسی دعائیں اللہ کے حبیب ﷺ نے مانگیں۔ جیسے

﴿اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَ عَافِنَا فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَ تَوَلَّنَا فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ﴾ (مسند ابی یعلیٰ: ۶۷۵۹)

کیسی عجیب دعا ہے! سبحان اللہ!

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طائف سے جب واپس تشریف لائے اور اس وقت ان کو جو رنج اور تکلیف اٹھانی پڑی تو اس کے پیشِ نظر انہوں نے دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَ قِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَ هَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ! اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ اِلٰى عَدُوٍّ يَتَجَهَّمُنِيْ اَمْ اِلٰى قَرِيْبٍ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِيْ اِنْ لَّمْ تَكُنْ سَاخِطًا عَلَيَّ فَلَا اُبَالِيْ غَيْرَ اَنَّ عَافِيَتَكَ اَوْسَعُ لِيْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ الَّذِيْ اَضَاءَتْ لَهُ السَّمٰوٰتُ وَ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمٰتُ وَ صَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ اَنْ تُنْزِلَ عَلَيَّ سَخَطَكَ اَوْ تُحِلَّ عَلَيَّ غَضَبَكَ وَ لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ (کنز العمال:۳۶۱۳)

سبحان اللہ! ایسی دعا ہے کہ انسان کی عقل گھٹنے ٹیک دیتی ہے۔

یہ دعائیں احادیث کے اندر موجود ہیں، کتابوں کے اندر موجود ہیں۔ چھوٹی چھوٹی کتابیں ملتی ہیں۔ ان کو کہتے ہیں: پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری دعائیں۔تو کوئی ایسی کتاب لے لیں، بلکہ ایک کی بجائے کئی کتابیں لے لیں۔ جہاں کوئی مسنون دعا ملے اس کو یاد کر لیں اور اس مسنون دعا کو پھر اپنے وقت پر پڑھنے کی کوشش کریں۔ مثلاً سونے سے پہلے کی دعا...... جاگنے کے بعد کی دعا...... بیت الخلا میں داخل ہونے سے پہلے کی دعا...... باہر نکلنے کی دعا...... وضو کی دعائیں...... کپڑے بدلنے کی دعائیں...... آئینے میں چہرہ دیکھنے کی دعا...... کسی بیمار کو دیکھنے کی دعا...... آذان سن کر پڑھنے کی دعا...... آذان کے بعد کی دعا...... بادل گرجے تو اس کی دعا...... چاند پر نظر پڑے تو اس کی دعا...... بہت ساری دعائیں ہیں۔ ان تمام دعاؤں کو یاد کر لیں۔ عورتوں کو بھی یاد کروائیں، بچوں کو بھی یاد کروائیں۔ جو بچے پانچ سال یا

اس سے اوپر کی عمر کے ہو جائیں سب کو دعائیں یاد کروائیں۔ انعام متعین کریں کہ بھئی ایک دعا پر آپ کو اتنا انعام دیں گے۔ یہ تو مختصر سی دعائیں ہیں بچے بھی یاد کر لیتے ہیں۔ پھر ان کو پڑھنے کی عادت ڈال دیں۔ ان دعاؤں میں ایسی ایسی برکتیں ہیں کہ انسان ان کے علاوہ ویسی دعائیں مانگ ہی نہیں سکتا۔ تو کتنا مزا ہے کہ ان دعاؤں کو مانگیں گے تو خود بخود وہ نعمتیں بھی مل جائیں گی۔

مسنون دعاؤں سے نورِ نسبت کا حصول:

پھر ایک اور بات یہ کہ انسان چاہتا ہے کہ سارا دن میری توجہ اللہ کی طرف رہے۔ اس کو کہتے ہیں: انابت الی اللہ...... رجوع الی اللہ...... ذکر اللہ...... اس کے لیے سب سے زیادہ بہترین عمل دعاؤں کو باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے مسنون دعاؤں کی پابندی سے نسبت کے نور کو حاصل کیا ہے، یہ دعائیں اس قدر فائدہ مند ہیں۔ پنجابی میں کہتے ہیں:

''واہ پیا جانے یا راہ پیا جانے''

(واسطہ پڑنے سے پتہ چلتا یا راستے پر چلنے سے پتہ چلتا ہے)

انسان اس راستے پر چلتا ہے تو تب سمجھ لگتی ہے کہ یہ دعائیں باطنی طور پر کس قدر انسان کو فائدہ دیتی ہیں۔

موقع پر دعا کا یاد نہ آنا ایک مصیبت ہے:

بہت سارے لوگوں کو دیکھا کہ ان کو دعائیں یاد نہیں ہوتیں۔ جن کو یاد نہیں وہ یاد کرنے کی نیت کر لیں۔ اور بہت سارے سالکین ایسے بھی ہوتے ہیں کہ دعائیں تو یاد ہوتی ہیں پڑھنا یاد نہیں رہتیں۔ اگر کسی بندے کو دعائیں یاد ہیں اور موقع پر پڑھنی یاد

نہیں آتیں تو

فَاِنَّهَا مِنْ اَعْظَمِ الْمَصَائِبِ

''یہ بہت بڑی مصیبت ہے''

یہ علامت ہے اس بات کی کہ اس بندے کی توفیق اللہ کی طرف سے سلب ہو چکی ہے۔ اب اس کے لیے اللہ سے توفیق مانگیں! تہجد میں مانگیں ......نفلوں میں مانگیں......روئیں گڑگڑائیں......اللہ کو منائیں......میرے مولا مجھے دعائیں یاد ہیں، موقع پر یاد نہیں آتیں، اب موقع پر مجھے آپ یاد دلا دیں۔ میرا دل ایسا بنا دیں کہ دل مجھے الارم دے دے۔ مجھے ایسی فطرت دے دیجیے کہ آنکھ کھلے تو دعا پڑھوں...... اٹھوں تو دعا پڑھوں...... جوتا پہنوں تو دعا پڑھوں......کوئی کام کروں تو دعا پڑھوں ......بس دعا ہر وقت میری زبان پر ہو۔ اس کا تعلق یقظہ کے ساتھ ہے، غفلت کے ساتھ نہیں ہے۔ ہماری زندگی چونکہ گناہوں کی وجہ سے غفلت میں ہے اس لیے ہمیں یاد ہی نہیں آتیں۔ جب غفلت کے بادل ہٹیں گے اور یقظہ کی کیفیت میں انسان آئے گا پھر اس کو خود بخود، دل کے اندر الارم فٹ ہوتا ہے، وہ بتا دیتا ہے کہ اب یہ دعا پڑھنی ہے، اب یہ پڑھنی ہے......سارا دن دعائیں پڑھتے گزر جاتا ہے۔

مسنون دعاؤں کی برکت سے شیطان سے حفاظت:

آپ دیکھیں گے کہ ان دعاؤں کی پابندی سے پہلے اور بعد کی زندگی میں آپ کو واضح فرق نظر آئے گا۔ کتنی ایسی مصیبتیں ہے کہ ان دعاؤں کی وجہ سے انسان بچ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر: حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ ایک بندہ جو گھر میں داخل ہونے لگتا ہے تو شیطان بھی اس کے ساتھ اندر داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ شیطان انسان کے ساتھ نتھی ہوتا ہے، جب انسان اپنے گھر میں داخل ہو رہا ہوتا ہے تو وہ

بد بخت بھی داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر وہ مسنون دعا پڑھ کر گھر میں داخل ہو اور اہلِ خانہ کو دیکھ کر مسکرائے اور سلام کہے تو شیطان کہتا ہے: میرے لیے اس گھر میں نہ داخلہ ہے، نہ میرے لیے رزق ہے۔ وہیں سے واپس چلا جاتا ہے۔ اب مسنون دعا نہ پڑھنے کی وجہ سے شیطان کو تو ہم خود گھر لے کر آتے ہیں۔ پھر وہ آ کر اگر بیٹے کو بہکائے کہ سوئے ہوئے ہو، سوئے رہو! نیند سے اٹھنا مشکل ہو جائے تو پھر لڑتے کیوں ہیں کہ فجر کی نماز نہیں پڑھتا؟ اگر وہ بیٹی کو ورغلائے اور کہے کہ انٹرنیٹ پر بیٹھو تو بیٹی سے کیا گلا؟ اگر وہ بیوی کو ورغلائے کہ خاوند سے جھگڑا کرو تو بھئی! اس بد بخت کو لے کر تو ہم خود آئے، کیوں اسے گھر میں داخل ہونے دیا؟ آپ بتائیں کہ آپ گھر میں داخل ہونے لگیں اور کوئی اجنبی بندہ کھڑا ہو وہ آپ کے ساتھ اندر داخل ہونے لگے تو کیا آپ خاموشی سے لے آئیں گے؟ آپ اسے اندر تو نہیں لائیں گے! آپ اس سے بولیں گے کہ تو ہے کون میرے گھر میں داخل ہونے والا؟ اور ہم شیطان کو روز اندر لے آتے ہیں۔ اس لیے کہ یقین نہیں بنا ہوا۔ اگر ہمارا یقین بنا ہوتا تو گھر میں قدم رکھنے سے پہلے دعا ہم لازماً پڑھتے کہ یہ بد بخت باہر رہے۔ یہ نامحرم، یہ مجرم باہر ہی رہے گھر میں داخل ہی نہ ہو کہ گھر کے لوگوں کے اندر انتشار نہ پھیلا سکے۔ آج جس گھر میں دیکھو بچوں میں لڑائیاں ہیں۔ بھائی بھائی کی نہیں بنتی...... بھائی بہن کی نہیں بنتی...... بیٹی ماں کی نہیں بنتی...... خاوند بیوی کی نہیں بنتی...... کیوں یہ لڑائیاں ہیں؟ اس لیے کہ لڑائی کرنے والے کو لے کر آتے ہیں۔

حدیثِ پاک میں ہے: ایک صحابی کھانا کھا رہے تھے، ان کو شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول گئی۔ بعد میں یاد آیا تو کھانے کے درمیان میں پڑھنے والی دعا انہوں نے پڑھ لی۔ اس پر نبی ﷺ مسکرائے۔ آپ کے دندان نظر آئے تو صحابہ نے پوچھا: اے

اللہ کے نبی ﷺ! آپ کیوں مسکرائے؟ فرمایا کہ اس نے دعا پڑھے بغیر کھانا شروع کر دیا تھا اور اس کے ساتھ شیطان شامل ہو گیا تھا۔ اب اس نے دعا پڑھی تو شیطان نے جو کھایا تھا وہ اگل دیا۔

حدیث کے اس مضمون کا کیا مطلب ہے؟ یہ نہیں کہ کھانا شیطان نے کھا لیا اور آپ کی روٹی کم ہو گئی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جو کھانا بغیر دعا کے کھایا اس کھانے میں شیطانی تاثیر آپ کے اندر داخل ہو گئی، اب جب ہم دعا کے بغیر کھانا کھائیں گے تو وہ کھانا جا کر جسم کے اندر شہوت بیدار کرے گا، اس ٹشو کو اس وقت تک کچھ نہ کچھ ہوتا رہے گا جب تک کہ شہوت کو انسان پورا نہیں کر لیتا۔ پھر کہتے ہیں جی نظر کنٹرول میں نہیں رہتی۔ بھئی کیسے نظر کنٹرول میں رہے، کھایا جو وہ کہ اس سے شیطانی تاثیر اندر گئی۔ بھئی اگر کھانے میں فیٹ شامل ہو وہ جا کر دل کی شریانوں کو بلاک کر سکتی ہے تو جس کھانے کے ساتھ ظلمت جا رہی ہے کیا انسان کے دل کو وہ ظلمت والا نہیں بنا سکتی۔ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو باقاعدہ ہمیشہ دستر خوان پر کھانے سے پہلے دعا کرتے ہیں الا ماشاء اللہ۔

باخدا بننے کے لیے مسنون دعاؤں کا اہتمام ضروری ہے:

عوام الناس کی تو بات کیا کرنا، بعض دینی وضع قطع رکھنے والے صوفی صافی لوگوں کو بھی دعائیں نہیں یاد ہوتیں۔ اگر باخدا بن کر زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو دعاؤں کو اہتمام کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ ہر وقت کی دعا ہے، سونے جاگنے کی دعا...... کھانے پینے کی دعا...... گھر آنے جانے کی دعا۔ فلاں دعا۔ ہر ہر موقع کی دعا انسان باقاعدہ پڑھنے والا بنے۔ حتی کہ یہ زندگی کا حصہ بن جائے۔ دعاؤں کی پابندی کے بعد آپ کو یہ شکوہ نہیں رہے گا کہ وقوفِ قلبی نہیں رہتا۔ وقوفِ قلبی آٹو میٹک ہو

جائے گا۔ ہمارے بزرگوں نے جو کہا کہ وقوفِ قلبی کا خیال رکھو تو اصل میں مسنون دعاؤں کے لیے ہی تو کہا کہ تمہیں یاد رہیں اور پڑھتے رہو۔

(۳) گفتگو میں تسبیح وتحمید کے کلمات کو استعمال کرنا

پھر کچھ ایسے کلمات ہیں جن کے احادیث میں بہت فضائل ہیں۔ وہ ہمیں اپنی گفتگو میں استعمال کرنے چاہئیں اور ہم نہیں کرتے۔ عادت بنانی چاہیے اور وہ نہیں بنتی۔ نہ ہمیں ماں نے بتایا ہے، نہ باپ نے بتایا، نہ کسی بڑے نے، تو ہماری زبان پر گفتگو میں وہ الفاظ ہیں ہی نہیں۔ آپ بتائیں کہ کتنے لوگ ہیں جو ''الحمد للہ''، ''سبحان اللہ'' کا لفظ کثرت سے استعمال کرتے ہیں؟

......الحمد للہ! میں تکبیرِ اولیٰ میں پہنچ گیا۔

......الحمد للہ! میں وقت پر دفتر پہنچ گیا۔

......الحمد للہ! آج وقت پر ناشتہ لگ گیا۔

ہر کام اگر وقت پر ہو جاتا ہے تو کسی کی عنایت شاملِ حال ہوتی ہے تو ہوتا ہے! تو ہم کیوں الحمد للہ نہیں کہتے؟ اس لیے کہ یاد نہیں ہوتا۔ اگر یہ اپنے وقت پر نہ ہوتا ہمارے لیے مصیبت بنتا۔ اب اگر مصیبت نہیں بنا تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

اسی طرح ''سبحان اللہ'' کا لفظ نہیں کہتے۔

......سبحان اللہ! آج تو گھر میں کھانا بہت ہی اچھا بنا ہوا تھا۔

......سبحان اللہ! آج تو بچے نے کلاس کے اندر بڑے اچھے نمبر لیے۔

سبحان اللہ کے لفظ کو کثرت سے بولیں۔

اسی طرح ایک کلمہ ہے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ جب ذہن میں کوئی

شیطانی خیال آئے، شہوانی خیال آئے، تو اس مصیبت سے بچنے کے لیے یہ پڑھے اور پھر شیطان کو وہاں سے بھاگتا دیکھیں۔

بعض بزرگ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم پڑھا کرتے تھے۔ وہ بھی انسان کو شیطان سے بچانے کے لیے تیر بہدف ہے۔

بسم اللہ کا لفظ ہماری زندگی میں بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ حالانکہ

......دروازہ کھولیں تو بسم اللہ۔

......کھانا کھانے لگیں تو بسم اللہ۔

...... ہاتھ دھوئیں تو بسم اللہ۔

کوئی اچھا کام جو ہم کرنا چاہتے ہیں تو بسم اللہ سے اس کی ابتدا کریں۔

بسم اللہ کا معنی ہے اللہ کے نام کے ساتھ اور مفسرین نے لکھا کہ عربی کے ایک ایک لفظ کے کئی کئی معانی ہوتے ہیں۔ بعض علما نے فرمایا کہ بسم اللہ میں ''با'' تبریک کے لیے ہے۔ تو ترجمہ بنے گا: ''اللہ کے نام کی برکت کے ساتھ''۔ اور حدیث پاک ہے کہ جو بندہ کسی اچھے کام کو میرے نام کے ساتھ شروع کرے گا، میں اس کام میں برکتیں عطا کر دوں گا۔ ہم جو کہتے ہیں کہ ہمارے کاموں میں برکت نہیں، یہ اس لیے کہتے ہیں کہ ہم بسم اللہ نہیں پڑھتے۔

چھوٹے بچوں کو بھی کلمات کی عادت ڈالیں:

بسم اللہ...... الحمد للہ...... سبحان اللہ...... اللہ اکبر...... لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ان کو ہمیں اپنی گفتگو میں استعمال کی عادت ڈالیں اور چھوٹے بچوں کو بھی سکھائیں۔ اگر بچہ کسی وقت ماں باپ کی بات نہ مانے، غصے میں آجائے شور مچانا شروع کر دے تو کہیں کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھ لو! وہ پوچھے گا: کیوں؟ آپ کہیں: شیطان

آ گیا ہے۔

ہم نے ایک چھوٹی بچی کو یہی بات سکھائی۔کبھی ضد کرنے لگتی ، رونے لگتی یا پریشان کرتی تو ماں باپ کو پتہ تو چل جاتا ہے،ہم کہتے: پڑھو! پڑھو! اَعُوْذُ بِاللّٰہِ پڑھو! ۔ وہ پوچھتی: دادا ابو! شیطان آ گیا ہے؟۔ کہتے: ہاں شیطان آ گیا ہے ۔ وہ بالکل نارمل ہو جاتی ۔اور ایک دفعہ سفر میں تھی اور اندازہ ہوا کہ اب اس کا تنگ کرنے کا موڈ ہے،تو جونہی رونے لگی۔ میں نے کہا: اعوذ باللہ پڑھو!......اعوذ باللہ پڑھو! کہنے لگی : دادا ابو! کالا شیطان آ گیا تھا؟ اب چھوٹی سی بچی بھی فرق محسوس کر رہی ہے کہ آج مجھے غصہ زیادہ تھا۔تو بچوں کو بچپن سے سکھائیں تا کہ ان کو کہنے کی عادت پڑے۔

جَزَاکَ اللّٰہُ کی عادت

اسی طرح کسی سے کچھ فائدہ یا راحت پہنچے تو اردو میں ’’شکریہ‘‘ کا لفظ ہے،عربی میں جَزَاکَ اللّٰہُ کہتے ہیں،عورت ہو تو جَزَاکِ اللّٰہُ کہے۔کسی سے تھوڑا سا بھی فائدہ پہنچے تو جَزَاکَ اللّٰہُ کہیں۔ یہ الفاظ ہماری زبانوں پر بہت کم آتے ہیں۔

زیور میں نگینے:

ہمیں اپنی گفتگو کے اندر ان الفاظ کو کثرت سے استعمال کرنا چاہیے۔یہ الفاظ استعمال کریں گے آپ کی گفتگو ایسی ہوگی جیسے کوئی سونے کا زیور ہوتا ہے اور اس میں نگینے جڑے ہوئے ہوتے ہیں ۔ یہ ’’سبحان اللہ‘‘ ’’الحمد للہ‘‘ کے الفاظ آپ کی گفتگو کے زیور میں جڑے ہوں گے۔ نامۂ اعمال قیامت کے دن بھاری ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے:

﴿اَلتَّسْبِيْحُ نِصْفُ الْمِيْزَانِ، وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَؤُهُ﴾

(کنز العمال:۱/۴۶۲،رقم:۲۰۰۱)

''سبحان اللہ'' نصف میزان کو بھر دیتا ہے اور ''الحمد للہ'' پورے کے پورے میزان کو بھر دیتا ہے۔

بھئی ہم نے تو دنیا کے امتحانوں میں دیکھا کہ

......ایک نمبر پر فرسٹ ڈویژن مل گئی۔

......ایک نمبر سے فرسٹ ڈویژن سے رہ گئے۔

......ایک نمبر سے ممتاز آنے سے رہ گئے۔

......ایک نمبر سے فیل ہو گئے۔

......ایک ووٹ سے کامیاب ہو گئے۔

اگر ایک نمبر اور ایک ووٹ زیادہ ہونے کی اتنی اہمیت ہے تو قیامت کے دن کتنے لوگ ہوں گے جو ایک نیکی زیادہ ہونے کی وجہ سے جنت میں جائیں گے۔ اور ہم گفتگو کے ذریعے سے روزانہ لاکھوں نیکیاں کما سکتے ہیں۔ عادت ہونی چاہیے۔ صوفی کا مطلب یہ تو نہیں کہ بس ہر وقت فقط تسبیح پکڑ کر بیٹھا رہے کہ بس منکے پر منکا۔ صوفی کا مطلب یہ ہے کہ اس کی زندگی سنت کے مطابق ہو جائے، اس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا ہر چیز نبی علیہ السلام کی سنت کے مطابق ہو جائے۔

(۴) قرآن پاک کا کچھ حصہ یاد کرنا اور تلاوت کرنا

قرآن پاک محبوب کا کلام ہے اپنے بندے کے نام ہے، اس کی تلاوت سے کچھ شغف ہونا چاہیے اور اس کا کچھ حصہ ایک سالک کو زبانی یاد ہونا چاہیے۔

فضیلت والی سورتوں کو یاد کرنا:

قرآن پاک میں کچھ فضائل والی سورتیں ہیں، جن کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تذکرہ

فرمایا۔

جیسے سورۃ یٰس ہے......جس کو قرآن پاک کا دل کہا گیا۔

سورہ ملک ہے...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

قرآن مجید میں ایک سورۃ ہے جو تیس آیات کی ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ یہ میرے ہر امتی کے دل میں ہو۔

اب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ Wish (تمنا) کرنا تو ہمارے لیے بڑی اہمیت کا حامل ہونا چاہیے۔ کیا ہم اتنے گئے گزرے امتی ہیں کہ ہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس تمنا کو پورا ہی نہیں کر سکتے۔ تیس آیتیں یاد کرنا کون سا مشکل کام ہے؟ ان پڑھ بندہ بھی شروع کر دے، ایک آیت روز یاد کرے تو ایک مہینے میں پوری سورت مکمل یاد کرلے گا۔ لیکن یہ ایم ایس سی لوگوں کو بھی یاد نہیں......ڈاکٹروں اور انجینئروں کو بھی یاد نہیں......اس لیے کہ توجہ جو نہیں ہوئی اس طرف، واسطہ جو نہیں پڑا اس سے۔ تو ایک ایک آیت یاد کرتے کرتے آپ ایک مہینے میں سورۂ ملک یاد کرلیں گے۔ ہمارے اکابررات کو اس وقت تک نہیں سوتے تھے، جب تک سورۂ ملک کو نہیں پڑھ لیا کرتے تھے۔

......اسی طرح سورہ نبا کی فضیلت آئی ہے۔

......سورہ واقعہ کی فضیلت آئی ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنی بیٹیوں کو سورۂ واقعہ یاد کروا دی ہے، وہ روزانہ پڑھتی ہیں، مجھے ان کے رزق کی کوئی پریشانی نہیں۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو بندہ روزانہ سورۂ واقعہ پڑھ لیتا ہے، اللہ اس کو رزق کی تنگی سے محفوظ فرما دیتے ہیں۔ اب آج کتنے بندے ہیں جو رزق سے تنگ ہیں مگر سورۂ واقعہ باقاعدگی سے پڑھنے کی عادت نہیں ہے۔ تو مختلف اوقات میں مختلف سورتوں کی فضائل مختلف ہیں کہ

عصر کے بعد کیا پڑھنا ہے؟
صبح میں کیا پڑھنا ہے؟
شام میں کیا پڑھنا ہے؟
مغرب عشاء کے درمیان کیا پڑھنا ہے؟
سورۂ الم سجدہ......سورۂ دخان......اور فلاں، فلاں......مختلف سورتیں ہیں جن کو ہمیں یاد کرنا اور پڑھنا چاہیے۔

آخری تین پاروں کو یاد کرنا:

اگر کسی کا ذہن قرآن مجید یاد کرنے میں اچھا چلتا ہو تو پھر مشورہ یہ ہے کہ اس کو آخری تین پارے یاد کر لینے چاہئیں۔ کئی لوگ ذہین ہوتے ہیں......دفتروں میں کام کرتے ہیں، فیکٹریاں چلاتے ہیں، بزنس چلاتے ہیں۔ اگر اللہ نے آپ کو اتنا ذہن دیا ہے تو اس ذہن سے فائدہ اٹھائیں اور آخری تین پارے یاد کر لیں۔ اس لیے کہ آخری تین پاروں کی سورتیں چھوٹی چھوٹی ہیں، لہٰذا یاد کرنا آسان ہوتا ہے۔ اور اگر پھر اگر رات کو انسان کو جاگنے کی توفیق ملے تو تہجد میں پڑھنا بھی آسان۔ آپ کسی ایسی جگہ پر ہیں کہ قرآن پاک بھی پاس نہیں اور تلاوت کرنا چاہتے ہیں تو یہ تین پارے پڑھ سکتے ہیں۔ تو آخری تین پارے تو ہر بندہ یاد کرنے کی کوشش کرے، مرد ہو یا عورت ہو۔

مکمل قرآنِ پاک کو یاد کرنا:

اگر آپ نے تین پارے بھی یاد کر لیے تو اب آپ مشورہ کر لیں، اپنے استاد سے شیخ سے کہ جی میں نے آسانی سے یاد کر لیے ہیں۔ تو اگر Attitude (میلان) بھی ہے اور Memory (یادداشت) بھی اچھی ہے، ذوق وشوق بھی ہے تو اب پورا

قرآن پاک حفظ کرنے کی بھی نیت کر سکتے ہیں۔ہم نے اپنی زندگی میں دیکھا ہے کہ چالیس سال میں حافظ ...... پچاس سال میں حافظ...... ساٹھ سال میں حافظ بنے۔ بلکہ ایک دفعہ ایک صاحب نے ہمیں دستار بندی کے لیے بلایا کہ آپ نے میری دستار بندی کروانی ہے۔ جب یہ عاجز ان کے حفظ مکمل کرنے پر دستار بندی کے لیے گیا تو مجھے ان کے پورے جسم کے اوپر کوئی کالا بال نظر نہیں آتا تھا۔اس عمر میں انہوں نے قرآن پاک حفظ کرلیا۔

(۵) خاموش رہنے کی عادت اختیار کرنا

سالک میں ایک بات یہ ہونی چاہیے کہ اپنی زندگی میں خاموش رہنے کی عادت ڈالے۔آج کے دور میں یہ عادت بہت کم ہے۔جس کو دیکھو ہر وقت ٹرٹر کی عادت میں مبتلا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ صحابہ کو خطبۂ جہاد دیا۔میں نے اس کے الفاظ گنے تو وہ کوئی ڈیڑھ سو کے قریب الفاظ تھے۔ڈیڑھ سو الفاظ سے تو ہمارے بیان کی ابتدا ہی شروع نہیں ہوتی، مضمون پہ ہی نہیں آتے۔

ہمارے اکابر روزانہ جو بولتے تھے اس کو لکھ لیتے تھے۔ہم اپنا بولا لکھنے بیٹھیں تو رجسٹر پورے کا پورا روز ہی بھر جائے، اتنا بولتے ہیں۔

کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکوت
جتنا جس کا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

جو اہلِ ظرف ہوتے ہیں وہ خاموش ہوتے ہیں۔

کم بولنے کا طریقہ:

کم گوئی کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ خود سے مت بولیں۔ ایک ہوتا ہے

ضروریات کی چیزوں کے لیے بولنا، وہ تو بولنا ہی ہوتا ہے۔ ایک ہوتا ہے ویسے ہی گفتگو کرنا۔ تو گفتگو آپ خود سے نہ کریں، آپ کی گفتگو ہمیشہ دوسرے کا جواب ہو۔ جب آپ جواب میں بولیں گے تو پھر آپ کی گفتگو بھی عبادت بن جائے گی، چونکہ آپ نے مومن کی بات کا جواب دیا۔ ازخود نہ گفتگو کریں۔

اہلِ تقویٰ علما کم گو ہوتے ہیں:

آپ دیکھیں گے کہ جتنے بڑے بڑے مفتی حضرات ہوتے ہیں، تقوای والے ہوتے ہیں، آپ ان کی صحبت میں بیٹھیں، وہ بہت کم گفتگو کریں گے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اتنا علم تھا لیکن ان کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ وہ بہت کم گفتگو کرتے تھے۔ لیکن اگر کوئی ان سے دین کا مسئلہ پوچھ لیتا تو بس ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے؟ ایسی شرح وبسط سے گفتگو فرماتے تھے کہ انسان حیران ہوتا تھا۔

حضرت سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خاموشی:

ہم نے اس کا زندہ نمونہ اپنے ایک شیخ کو دیکھا۔ میرے شیخ حضرت سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے فقیہ تھے۔ انہوں نے عمدۃ الفقہ کتاب بھی لکھی ہے۔ پہلی مرتبہ جب ہم بیعت ہونے کے لیے گئے تو یونیورسٹی کے کوئی پچیس تیس نوجوان ساتھ تھے۔ ان سے وہاں جا کر ملے، حضرت نے سب کو بٹھایا، شربت پلایا، پھر خاموش......اب ہم تو ادب کی وجہ سے خاموش تھے، توقع یہ تھی کہ ہم بیٹھیں گے اور حضرت بولنا شروع کردیں گے اور ہم وعظ ونصیحت سنیں گے، لیکن حضرت بالکل خاموش تھے۔ اتنا پتہ چلتا تھا کہ تھوڑی دیر کے بعد حضرت یوں سر اٹھاتے اور دائیں

سے بائیں سب کے چہرے دیکھتے اور پھر سر جھکا لیتے۔ اسی طرح بیٹھے بیٹھے خاموشی میں کوئی بیس منٹ گزر گئے تو حضرت سمجھ گئے کہ یہ ''پہلو'' لوگ ہیں۔ ان کو سمجھ ہی نہیں ہے، نئے ہیں...... ناتجربہ کار ہیں...... واقف نہیں ہیں۔ اس وقت حضرت نے ایک عجیب بات کہی۔ سب کو دیکھا اور مسکرائے اور یہ الفاظ کہے: بھئی! مجھے تو اتنا بولنے کی عادت نہیں، اگر آپ لوگ آپس میں گفتگو کر لیں تو میں بھی سن لوں گا۔ یہ الفاظ کہے۔ اس پر ہمارے ایک ساتھی نے ان سے لطیفۂ قلب کے بارے میں پوچھا۔ اس کے بعد جو حضرت نے بات شروع کی تو پورے دو گھنٹے لطیفہ قلب پہ گفتگو فرمائی۔ یہ علم اور پھر یہ خاموشی...... سبحان اللہ!۔

واقعی صحیح بات ہے، جس کا جتنا ظرف ہوا اتنا ہی وہ خاموش ہوتا ہے۔ آجکل تو ٹرٹر...... ایک بھی بول رہا ہوتا ہے، ادھر سے دوسرا بھی بول رہا ہوتا ہے...... عادت جو ہے بولنے کی۔ لطیفہ بنا ہوا ہے کہ جب شادی ہوئی تو میں بولتا تھا بیوی سنتی تھی۔ جب اولاد ہوگئی پھر بیوی بولتی تھی میں سنتا تھا۔ جب ہم دونوں بوڑھے ہو گئے تو پھر دونوں بولتے تھے محلے والے سنتے تھے۔ تو آجکل سب ہی بول رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے خاموش رہنے کی عادت ڈالیں۔

کہے ایک جب سن لے انسان دو:

اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں تو ویسے بھی خاموشی کی عادت اپنانی ہوتی ہے۔ ؎

کہے ایک جب سن لے انسان دو
خدا نے زبان ایک دی اور کان دو

اللہ نے زبان ایک دی ہے اور کان دو، اس لیے جب تم دو سن لو تو پھر ایک کہو۔ کم بولنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ غیبت سے بچ جائیں گے۔ جو لوگ زیادہ بولنے کی

عادت والے ہیں، میں لکھ کر دینے کو تیار ہوں کہ ان کے لیے غیبت سے بچنا ناممکن نہیں تو مشکل بہت زیادہ ہے۔ وہ غیبت کریں گے یا غیبت سنیں گے۔ اس کبیرہ گناہ سے بچنے کا طریقہ خاموشی ہے۔ ایک چپ تے سو سکھ...... خاموش رہیں! بولیں ہی نہیں۔

بحث مباحثہ سے بچیں:

اور بحث مباحثہ سے بھی بچیں۔ جب دیکھیں کہ میری بات کو مخاطب Pick (اخذ) نہیں کر رہا۔ دلیلوں پہ آ گیا ہے...... بحث کے موڈ میں آ گیا ہے...... تو چپ کر جائیں۔ کیا ضرورت ہے بحث و مباحثہ کرنے کی؟ حدیث مبارکہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''میں اس شخص کو جنت کے وسط میں گھر دلانے کی ضمانت دیتا ہوں جو بحث مباحثہ نہ کرے اگر چہ وہ حق پہ ہی کیوں نہ ہو''

ایک بندہ ابھی نہیں سمجھ رہا تو کچھ دیر کے بعد خود سمجھ جائے گا، احساس ہو جائے گا۔ تو چپ رہنے کی عادت ڈالیں اور اس خاموشی میں اپنے اللہ کو یاد کریں۔ جب دل میں اللہ کی یاد ہو تو پھر طبیعت ہی ایسی بن جاتی ہے کہ انسان کا کسی سے بات کرنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔

(۶) محاسبۂ نفس کرنا

اپنا محاسبہ کیا کریں۔ روزانہ شام کے وقت اپنا اکاؤنٹ ضرور چیک کریں۔ جیسے دوکاندار حضرات نے حساب کے گوشوارے بنائے ہوتے ہیں تو روزانہ شام کو بیٹھ کر گوشوارے میں دیکھتے ہیں کہ نفع کتنا ہوا نقصان کتنا ہوا۔ تو ہم بھی روز کا گوشوارہ

روزانہ دیکھیں۔اس کو فرمایا:

﴿حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا﴾ (سنن الترمذی:۲۳۸۳)

''تم اپنا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے''

ہم نے ایک مرتبہ دفتر کی زندگی میں دیکھا کہ اکاؤنٹ والے بھاگے پھر رہے ہیں۔جی! فلاں رسید نہیں ہے......فلاں واؤچر غائب ہے......فلاں بل نہیں مل رہا۔ میں نے چیف اکاؤنٹنٹ سے پوچھا کہ مسئلہ کیا ہے؟اس نے کہا: جی **Audit** (محاسبے) والوں نے آنا ہے تو اس سے پہلے ہم انٹرنل آڈٹ کر رہے ہیں۔اس محاسبے کا دوسرا نام انٹرنل آڈٹ ہے کہ قیامت کے دن کے آڈٹ سے پہلے پہلے انسان اپنا آڈٹ خود ہی کر لے۔اپنا محاسبہ کر لے۔اس میں ایک منٹ بھی نہیں لگتا۔بیٹھ کر اپنے اعمال کو سوچیں،اگر گناہ ہوا تو اسی وقت توبہ کریں!توبہ میں دیر نہ لگائیں۔

توبہ کا کوٹہ مقرر نہیں:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص ایک دن میں ستر مرتبہ گناہ کرے اور ستر مرتبہ توبہ کرے تو بھی ہر مرتبہ اس کی توبہ کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے۔اللہ کے ہاں توبہ کے اوپر کسی تعداد کی قید نہیں ہے کہ تم زندگی میں سو دفعہ توبہ کر سکتے ہو اس کے بعد نہیں۔تم پندرہ سو دفعہ......تم دو ہزار دفعہ کر سکتے ہو اور پھر کوٹہ ختم۔کروڑوں دفعہ توبہ کرو۔کر سکتے ہو۔کیا آپ کے سیل فون میں کوئی تعداد ہوتی ہے کہ آپ اتنے میسج ڈیلیٹ (ختم) کر سکتے ہیں؟ دن میں پانچ ڈیلیٹ کر سکتے ہیں ...... دس کر سکتے ہیں......کوئی لمٹ نہیں ہوتی۔جب چاہیں ڈیلیٹ کریں۔بالکل توبہ کا یہی معاملہ کہ یہ ڈیلیٹ بٹن ہے، جب گناہ ہوا توبہ کے ذریعے ڈیلیٹ۔نامۂ اعمال میں اس گناہ کو رہنے نہ دیں۔یہ منشائے خداوندی ہے۔اور اس کی دلیل یہ ہے کہ لکھنے والے فرشتے

کو اس لیے تو دو پہر تک منع کر دیا کہ تم لکھو نہیں۔ شاملِ دفتر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہوسکتا ہے یہ توبہ کر لے۔ جب پروردگارِ عالم فرشتے کو دو پہر تک انتظار کرواتے ہیں تو مطلب تو یہی ہوا کہ اس اینٹری ہونے سے پہلے پہلے وہ توبہ کی مہلت دیتے ہیں۔ تو بندہ فوراً توبہ کرے کہ یا اللہ! میں شرمندہ ہوں، مجھے معاف کر دے، آئندہ گناہ سے بچنے کی توفیق دے دے۔ اللہ سے مانگیں۔ تو یہ محاسبہ بھی ضروری ہے۔

(۷) دین و دنیا میں ہمیشہ دین کو مقدم کرنا

زندگی میں ایسے کئی مواقع آجاتے ہیں، ایسے اوقات آجاتے ہیں جہاں دین اور دنیا آمنے سامنے آجاتے ہیں۔ مثال کے طور پر پہلے کام کرلوں یا نماز پڑھ لوں؟ اب عورت سوچتی ہے کہ میں پہلے کام سمیٹ لوں پھر پڑھ لوں گی اور کام سمیٹتے سمیٹتے نماز قضا ہو جاتی ہے۔ اصول یاد رکھیں جب کبھی ایسا وقت آئے کہ جس میں دین اور دنیا ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں Choice (اختیار) ایک کو کرنا ہو تو دین کو مقدم رکھیں۔ اس چیز کی عادت بنالیں۔

آخری نماز سے محرومی:

ایک دفعہ ہم لوگ پشاور سے آرہے تھے۔ ایک جگہ پر نماز کے لیے رکے تو پیچھے سے ایک گاڑی میں اور بھی لوگ آئے۔ چار پانچ نوجوان تھے، انہوں نے بھی بریک لگائی کہ نماز پڑھتے ہیں۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا یار ابھی بڑا وقت پڑا ہے آگے جا کر پڑھ لیں گے۔ لگی ہوئی بریک پر انہوں نے گاڑی چلائی اور چل پڑے۔ ہم نے وہاں نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر جب ہم نے دوبارہ سفر کرنا شروع کیا تو کوئی پانچ کلو میٹر پر ہم نے دیکھا کہ ان کا ایکسیڈنٹ ہوا۔ پتہ نہیں کتنوں کی وفات ہوگئی؟ تو آخری

وقت کی نماز نہ پڑھ سکے۔ بریک تو لگائی تھی، نماز پڑھ لیتے، دین کو مقدم کرتے، یہ جو شیطان اس وقت ذہن میں شطونگڑا چھوڑ دیتا ہے کہ پھر کرلیں گے، آگے کا کیا پتہ کیا پیش آجائے؟ دین و دنیا جہاں آمنے سامنے آجائیں تو دین کو مقدم رکھیں! ہماری دنیا کا اللہ حافظ ہوگا۔

دین کو فوقیت دینے سے سب کام آسان:

ایک عرب کا واقعہ لکھا ہے کہ اس کے کھیت کو پانی دینے کی باری تھی اور جمعہ کا وقت بھی تھا۔عین جمعہ کے وقت پانی دینے کی باری تھی۔ اب اختیار تھا کہ جمعہ پڑھے تو پانی جاتا ہے اور پانی لگائے تو جمعہ جاتا ہے۔اس نے نیت کرلی کہ میں نے جمعہ نہیں چھوڑنا۔ جب نکلنے لگا تو بیوی نے کہا کہ ہمارا اونٹ کھل گیا ہے اور کہیں بھاگ گیا ہے تو اونٹ کو پکڑ لاؤ۔ اس لیے کہ دیہاتوں میں جو جانور کھل جاتے ہیں، ان کا اصول یہ ہے کہ جتنا جلدی ان کو ٹریس لیں وہ قریب مل جاتے ہیں، ورنہ جتنا دیر کریں گے وہ دور نکلتے چلے جائیں گے۔ کئی کئی کلومیٹر دور چلے جاتے ہیں۔ بیوی نے کہا کہ اونٹ سے ہماری کتنی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں تو آپ جائیں اور فوراً اونٹ کو ڈھونڈیں۔اس نے کہا: اچھا خطبے کا وقت ہوگیا، میں تو ابھی جاؤں گا اور جمعہ پڑھوں گا اور واپسی پہ آکر میں اونٹ ڈھونڈ دوں گا۔ وہ گیا، اور تسلی کے ساتھ جمعہ پڑھا۔ جب جمعہ پڑھ کر واپس آیا اور گھر کے قریب پہنچا تو کیا دیکھا کہ بیوی اونٹ کو باندھ رہی ہے۔ اس نے پوچھا: یہ اونٹ کہاں سے مل گیا؟ کہنے لگی: میں تو گھر بیٹھی آٹا گوندھ رہی تھی، اچانک گلی میں کتے بھونکنے کی آواز آئی تو میں باہر نکلی، دیکھا تو کتے اونٹ کے پیچھے لگے ہوئے اسے بھگا رہے تھے اور یہ بھاگتا ہوا گھر آرہا تھا۔ جب دروازے پر پہنچا تو میں نے اس کو پکڑ کر باندھ دیا۔ اللہ نے اونٹ پہنچا دیا۔

اس نے کہا: ایک کام تو اللہ نے کر دیا، اب میں جا تا ہوں کھیتی کو پانی دینے۔ جب زمین پہ گیا تو دیکھا کہ کھیتی کو پانی لگا ہوا ہے۔ اب وہ بڑا ہوا حیران ہوا۔ اتنے میں ہمسایہ اس کے پاس آ گیا۔ پوچھا کہ بھائی! یہ میری کھیتی کو پانی کیسے لگ گیا؟ ہمسائے نے کہا کہ دراصل تم سے پہلے میری باری تھی۔ میں اپنی زمین کو پانی لگا رہا تھا اور عجیب بات ہے کہ پانی پورا ہی نہیں ہو رہا تھا۔ بڑی دیر بعد بڑی مشکل سے پانی پورا ہوا۔ جب مکمل ہوا تو تب میں نے دیکھا کہ میرے اور تمہارے کھیت کے درمیان کی باؤنڈری ایک جگہ سے ٹوٹ گئی تھی جہاں سے پانی تمہارے کھیت کو بھی جا رہا تھا تو یوں میری زمین کو بھی پانی لگ گیا تمہاری زمین کو بھی لگ گیا۔

مقصد یہ ہے کہ جب بندہ دین کے کام کو دنیا پر فوقیت دیتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ بھی دستگیری فرماتے ہیں، اور اس کے دنیا کے کاموں کو سنوار دیتے ہیں۔ تو جہاں کوئی ایسا معاملہ آئے کہ آپ کہیں کہ جی میں پہلے چائے بنا لیتی ہوں نماز بعد میں پڑھ لوں گی، تو یہ ٹھیک نہیں، نماز پہلے پڑھیں بعد میں چائے بنا لیں۔

مسئلے کی بات:

تاہم مسئلے کی بات ہے کہ شریعت یہ کہتی ہے کہ بھوک لگی ہوئی ہو اور نماز بھی پڑھنی ہو تو پہلے کھانا کھا لو پھر نماز پڑھو۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ فقہا کے ساتھ تھے تو فیصلہ ہونا تھا کہ پہلے نماز پڑھیں یا کھانا کھائیں؟ تو کچھ حضرات نے تو یہ کیا کہ پہلے جلدی سے نماز پڑھ لی اور پھر اطمینان سے کھانا کھایا۔ آپ نے کیا کیا کہ پہلے کھانا کھایا اور بعد میں نماز کی تیاری کی اور سکون سے نماز پڑھی۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے ایسے کیوں کیا؟ نماز کو مقدم کیوں نہیں کیا؟ فرمایا: اس لیے کہ تم نے اپنی نماز کو کھانا بنا لیا اور میں نے اپنے کھانے کو نماز بنا لیا۔ یعنی میں کھانا کھا رہا تھا تو میری توجہ تھی کہ

کھانا جلدی ختم کر کے نماز پڑھوں، تو میرا پورا کھانا نماز کا انتظار تھا۔ تم لوگوں نے کھانا نہ کھایا کہ بعد میں کھائیں گے اور نماز شروع کر دی تو پوری نماز میں کھانے کا خیال رکھا کہ کب نماز پوری ہوگی اور کھانا کھائیں گے۔ تم نے نماز کو کھانا بنا لیا۔

تو جب بھی نماز پڑھیں تو تسلی کی دو رکعت پڑھیں۔ یہ جو چھوٹے موٹے گھر کے معاملات، دفتر کے معاملات ہوتے ہیں یہ تو چلتے رہتے ہیں، یہ تو زندگی کا حصہ ہیں۔ اب ان کی وجہ سے کوئی بھاگی دوڑی کی نمازیں تھوڑا پڑھنی ہیں۔ نماز تسلی کی پڑھنی چاہیے۔ تسلی کا یہ بھی مطلب نہیں کہ گھنٹہ نماز پڑھنے میں لگا دینا ہے۔ آپ بے شک جلدی پڑھیں، مگر جب تکبیر تحریمہ باندھ لیں تو آپ کا دماغ دنیا سے کٹ جائے، اللہ کے ساتھ جڑ جائے۔ بھلے آپ ایک منٹ میں دو رکعت پڑھ لیں، اس سے فرق نہیں پڑتا، البتہ توجہ مقصود ہے۔

(۸) دوسروں کی دل آزاری سے بچنا

آٹھویں چیز ہے دوسروں کی دل آزاری سے بچیں۔ کوشش کریں کہ کسی کا دل نہ دکھے۔ کوئی بھی ہو، چھوٹا ہو یا بڑا ہو، مرد ہو یا عورت ہو، گھر کا ہو باہر کا ہو، کسی کا دل نہ دکھے۔ اس لیے کہ دل آزاری اتنا بڑا گناہ ہے کہ انسان کی سالوں کی عبادت بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کسی کا دل دکھانا، اللہ اکبر...... اللہ کے غضب کو جوش میں لانے والی بات ہے۔ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس چیز کا بڑا خیال رکھتے ہیں کہ کوئی بددعا نہ دے دے۔ تو جیسے بددعا سے ڈرتے ہیں ایسے ہی دل آزاری سے بھی ڈریں کہ میری وجہ سے کسی کا دل نہ دکھے۔ چاہے قریبی ہو چاہے دور کا ہو، مجھے کسی کا دل نہیں دکھانا۔

مسجد ڈھا دے، مندر ڈھا دے، ڈھا دے جو کچھ ڈھینا ایں
پر کسے دا دل نہ ڈھاویں ، رب دلاں وچ رہندا اے

’’تم بھلے مسجد گرادو یا مندر گرادو سب کچھ گرادو لیکن کسی کا دل نہ گرانا کہ دل میں اللہ تعالیٰ رہتے ہیں‘‘

اور آج سب سے آسان کام دوسرے کی دل آزاری ہے۔ایسا لفظ کھڑکا دیا کہ ماں بیٹھی رو رہی ہے۔اس بچے کو کیا پتہ کہ یہ میری ماں کا ایک ایک آنسو قیامت کے دن کیا طوفان لائے گا؟

......کوئی ماں کا دل دکھاتا ہے۔

......کوئی باپ کا دل دکھاتا ہے۔

......کوئی خاوند کا دل دکھاتی ہے۔

......کوئی بیوی کا دل دکھاتا ہے۔

......کوئی ساتھی کا دل دکھاتا ہے۔

......کوئی پڑوسی کا دل دکھاتا ہے۔

یہ دل دکھانا ہم نے ایک عام سی بات سمجھی ہوتی ہے۔

ہمارے بزرگ اس میں بہت احتیاط فرماتے تھے۔تو کوئی بھی ایسا عمل نہ کریں جس سے کسی کا دل دکھے۔

دل آزاری کے معاملے میں اکابر کی احتیاط:

ہمارے اکابر، ہمارے مشائخ دوسروں کی دل آزاری کے معاملے میں اتنی احتیاط کرتے تھے کہ حیرانی ہوتی ہے۔

⊙......صحابہ کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ بیٹھے ہوئے تھے،اچانک محسوس ہوا کہ کسی کا وضو

ٹوٹا ہے، بد بو محسوس ہوئی۔ تو صاف ظاہر ہے کسی کا وضوٹوٹا ہوگا۔ اب وہ اٹھے گا جائے گا تو اسے شرمندگی ہوگی۔ تو عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، یہ نوجوان لڑکے تھے، جیسے ہی انہوں نے بد بو محسوس کی تو فوراً پوچھا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اجازت ہے کہ ہم سب جائیں اور دوبارہ وضو کر کے آئیں؟ فرمایا: بہت اچھا۔ جو دو چار بندے بیٹھے تھے، سب گئے اور وضو کر کے آئے کہ ایک بندے کو کہیں شرمندگی نہ اٹھانی پڑ جائے۔ اتنا وہ اس کا خیال رکھتے تھے۔ اور آج تو شاید ہم ثواب کی نیت کر کے دوسروں کو رلاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں ثواب ملے گا۔

⊙ ...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں انس رضی اللہ عنہ دس سال رہے۔ دس سال کے بچے تھے، کام کے نقصان بھی کرتے تھے، گڑبڑیں بھی کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ دس سال میں نبی علیہ السلام نے نہ کبھی مجھے مارا نہ پیٹا، نہ گالی دی نہ مجھے کوئی سخت لفظ کہا۔ مجھے دس سال میں ہمیشہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے پیار دیا۔ اور فرماتے ہیں کہ جب میں کوئی گڑبڑ کر لیتا تھا...... کوئی کام الٹا کر لیتا تھا...... تو فرماتے تھے: انس مقدر میں یوں ہی لکھا ہوا تھا۔ سبحان اللہ!

⊙ ...... ایک بزرگ کپڑا لے کر گھر آئے، بیوی کو کپڑا بہت پسند آیا۔ لیکن وہ کپڑوں کو لے کر پھر چلے گئے۔ پھر کچھ دیر کے بعد آئے۔ اس نے کہا: کپڑے کو لے کر کہاں گئے تھے۔ کہنے لگے: اصل میں وہ کپڑے پر میں نے کہیں چیونٹی چلتی دیکھی تھی اور اس جیسی چیونٹیاں اس دکان میں چل رہی تھیں، جس دکان سے میں نے کپڑا خریدا تھا۔ تو مجھے یہ محسوس ہوا کہ یہ وہاں کی چیونٹی ہے جو تھان کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی، جب میں یہ اٹھا کر گھر لایا تو میری وجہ سے یہ خاندان والوں سے کٹ گئی، اس لیے میں اسے چھوڑنے وہیں دکان پر گیا تھا۔ میں تھان لے کر گیا اور چیونٹی کو وہیں چھوڑ کے آیا۔ چیونٹی کا تو

خیال کیا کرنا، ہم انسانوں کا بھی خیال نہیں کرتے۔

تو مخلوقِ خدا کی دل آزاری سے بچیں۔ جو انسان اللہ کے بندوں پہ ترس کھائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس بندے کے اوپر ترس کھائیں گے۔

((اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ))

اس کا کیا معنی ہے تم اللہ کے بندوں پر ترس کھاؤ، اللہ کے بندے تمہارے اوپر ترس کھائیں گے۔ کیا ہمیں دوسروں پر ترس آتا ہے۔

دو طرح کے کام:

زندگی میں کام دو طرح کے ہوتے ہیں: کچھ منشا کے مطابق، کچھ منشا کے خلاف ہوتے ہیں۔ ہر بندے کے ساتھ یہ معاملہ ہے۔ جو کام منشا کے خلاف ہے اس پر صبر کر لیں اور جو منشا کے مطابق کام ہو جائے اس پر اللہ کا شکر ادا کر لیں۔ شکر ادا کرنے والا بھی جنتی، صبر کرنے والا بھی جنتی۔ اس کو عادت ہی بنا لیں۔

(۹) اللہ سے دوستی لگانا

اور آخری بات کہ اگر اس راستے کے ہم سالک ہیں تو ہمیں اللہ سے دوستی لگانی چاہیے۔ نظر بھی تو آنا چاہیے کہ یہ اللہ سے دوستی کر رہا ہے۔ جو دنیا میں کہیں کسی سے Envolve (منسلک) ہوتا ہے تو فوراً پتہ چل جاتا ہے۔ کیوں پتہ چلتا ہے؟ اس لیے کہ ٹیلی فون پر باتیں کر رہا ہوتا ہے...... میسج کر رہا ہوتا ہے...... ہر وقت اسی کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوتا ہے...... اسی کے تذکرے کر رہا ہوتا ہے...... راتوں کو نیند نہیں آتی ...... کوئی چیز اچھی نہیں لگتی...... تو یہ چیزیں بتا دیتی ہیں کہ یہ لڑکا یا لڑکی کہیں نہ کہیں کسی تعلق میں گرفتار ہے۔ تو ہمیں بھی تو دیکھ کر کوئی اندازہ لگائے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ سے

Involve (متعلق) ہو چکا ہے۔ کیسے پتہ چلے گا؟

......مراقبہ ہم نہیں کرتے

......تسبیحات ہم نہیں کرتے

......تلاوت مہینوں نہیں کرتے

بس ایک وضع قطع بنا لی ہے ہم نے صوفیوں والی۔ تو فقط اس سے تو نہیں لکھا جائے گا کہ یہ بھی کوئی اللہ کا چاہنے والا ہے۔

اللہ سے ہم کلامی:

ہمارا دل کیوں نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کو میسج کرنے کو؟......اللہ تعالیٰ سے بات کرنے کو؟ یہ جو نماز کا پڑھنا ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کرنا ہے۔ انسان

الحمد لله کہتا ہے، اللہ جواب دیتے ہیں۔

الرحمن الرحیم کہتا ہے، اللہ جواب دیتے ہیں۔

مالك یوم الدین کہتا ہے، اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں۔

یہ حدیثِ پاک سے ثابت ہے۔ تو اللہ کے ساتھ ہم کلامی ہو رہی ہوتی ہے۔ کیا ہمیں شوق ہے اس کا؟ ہم تو نماز بھی پڑھتے ہیں تو بس بھگتانے والی بات ہوتی ہے۔

اللہ سے تعلق میں گرمجوشی کی ضرورت:

اس کا مطلب یہ کہ آج کے بعد ہمیں اپنے اللہ سے ایک ایسا تعلق جوڑنا ہے جس کے اندر Warmness (گرمجوشی) ہو۔ ایسا تعلق ہو کہ بس اللہ کا نام کوئی لے تو ہم تڑپ جائیں۔

﴿اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ﴾ (الانفال:۲)

''وہ لوگ جو اللہ کا نام سنتے ہیں ان کے دل تڑپ جاتے ہیں''

ہمارا دل کہے کہ اللہ!

Oh! My dearest darling beloved ALLAH

اللہ سے ایسی محبت ہو۔ ہمارے اعمال، ہمارے شب و روز، اٹھنا بیٹھنا ہر چیز سے ظاہر ہو کہ یہ واقعی اللہ کے تعلق میں پھنس گئے ہیں...... یہ دل کا سودا کر چکے ہیں۔

یہ بازی عشق کی بازی ہے:

یہ اللہ کا راستہ ایسا راستہ ہے کہ اس میں انسان کو کبھی نقصان نہیں ہوتا۔

یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنے، گر ہار گئے تو مات نہیں

منزل پہ زندگی میں پہنچ گئے تو کیا کہنے، اگر رستے میں موت آگئی تو پھر بھی نقصان نہیں، چونکہ اللہ کے راستے پہ تو چل رہے ہوں گے۔

ہمارے علما نے لکھا ہے کہ جو بندہ اس دنیا میں اللہ سے دوستی لگانے کی کوششوں میں لگا ہوگا، اللہ کی رحمت سے یہ بعید ہے قیامت کے دن اس کو دشمنوں کی قطار میں کھڑا فرمادیں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ وہ اتنی رحیم ذات...... اتنی کریم ذات...... اور پھر جو بندہ اللہ سے دوستی لگانے کے لیے کوششیں کر رہا ہو...... اللہ کہیں کہ اس کو میرے دشمنوں کی قطار میں کھڑا کرو۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

تو بس یہی دل میں سوچیں کہ ہم تو اللہ کے لیے زندہ ہیں۔ اللہ کے تذکرے کریں۔ جہاں بیٹھیں اللہ کی بات چھیڑیں۔ کوئی شکوہ کرنا ہو تو اللہ سے کریں۔ مخلوق سے کیا کہنا وہ تو خود محتاج ہے۔ جیسے یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا تھا:

﴿اِنَّمَا اَشْكُوْ بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ (یوسف:۸۶)

بس یہ عادت بنالیں! کسی کا شکوہ کرنا ہے......بس دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں، اپنے اللہ سے شکوے کریں۔ مانگنا ہے......مخلوق سے مانگنے کے بجائے اللہ سے مانگیں۔ انسان پہ جب کچھ گزرتا ہے تو وہ راز کی بات قریبی کو بتاتا ہے۔ تو اللہ کو بتائیں۔ ایک تعلق جوڑیں اللہ کے ساتھ جس میں Warmness (گرمجوشی) ہو۔ اس تعلق میں ہمیشہ بندے کا فائدہ ہے، ہمیشہ کامیابی ملتی ہے۔ ایک فاسقہ کا شعر ہے:

اس شرط پہ کھیلوں گی پیا پیار کی میں بازی
جیتوں تو تجھے پاؤں ، ہاروں گی تو میں تیری

تو اگر دنیادار لوگ یہ کہتے ہیں کہ جیتوں تو تجھے پاؤں ہاروں گی تو میں تیری، تو اللہ سے بھی ایسا سودا کریں۔ یا اللہ! بس میں تیرا۔

''دلوں من لئی تیری بن گئی''

میں نے دل سے یہ عہد کرلیا کہ آج میں تیرا بن گیا۔　ع

ہم تو کہتے ہیں کہ دنیا میں تیرا نام رہے

ع

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں

بیوی خاوند کی تعریفیں کرتی نہیں تھکتی...... ماں بیٹے کی تعریفیں کرتی نہیں تھکتی...... تو بھئی! انسان اللہ کی تعریفیں کرتے کیوں تھکے؟ خوب تعریفیں کریں اللہ کی۔ تو اللہ سے محبت کا رشتہ جوڑنے کی کوشش کریں! دل اللہ کے لیے اداس ہو۔

اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی:

جو انسان ذکر کرتا ہے وہ اللہ کا ہم نشین ہوتا ہے۔ تو کیا ہمارا دل چاہتا ہے اللہ کے ساتھ بیٹھنے کو؟ مصلے پہ تو پانچ منٹ نہیں ٹکتے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

موسی علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی:

اَتُحِبُّ اَنْ اَسْكُنَ مَعَكَ فِيْ بَيْتِكَ يَا مُوْسٰى

اے موسیٰ! کیا تو چاہتا ہے کہ میں تیرے ساتھ تیرے گھر میں رہوں؟

فَخَرَّ لِلّٰهِ سَاجِدًا

موسیٰ علیہ السلام سجدے میں گر گئے۔

كَيْفَ تَسْكُنُ مَعِيَ فِيْ بَيْتِيْ

اللہ تو میرے ساتھ میرے گھر میں کیسے رہ سکتا ہے؟

فرمایا:

اَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ

فرمایا: جو میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا ہم جلیس ہوتا ہوں۔

میں اس کے ساتھ ہی تو ہوتا ہوں۔ ہم آج کے بعد اللہ رب العزت سے محبت کا تعلق جوڑنے کے لیے کمر بستہ ہو جائیں۔ نیت کر لیں کہ ہم نے اللہ سے یہ محبت کا تعلق جوڑنا ہے۔ نامۂ اعمال میں اللہ سے راز کی باتیں لکھوانی ہیں۔ وہ باتیں کہ مجھے پتہ ہو یا میرے رب کو پتہ ہو۔

اللہ سے دوستی لگانے والے:

اللہ سے محبت کرنے والے لوگ عجیب ہوتے ہیں، سبحان اللہ!

⊙ ......رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا اللہ کی نیک بندی تھیں۔ ایک دفعہ کمرے میں سوئی ہوئی تھیں۔ چور آ گیا اور اس نے آ کر اِدھر اُدھر جھانکا تو ایک چادر پڑی تھی اور تو کچھ تھا نہیں، اس نے وہی چادر اٹھالی۔ جب واپسی کا دروازہ دیکھنے لگا تو سر چکرایا اور اس کو کچھ نظر نہ آیا، آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا تو نروس ہو گیا اور اس نے چادر کو وہیں

پھینک دیا۔ جب چادر ہاتھ سے گری تو اس کو دروازہ نظر آیا اور وہ نکلنے لگا۔ تو آواز آئی: اگر ایک دوست سویا ہوا ہے تو دوسرا دوست جاگتا ہے۔ تو اللہ سے ایسا تعلق ہو کہ اللہ فرمائیں کہ ایک دوست سویا ہوا ہے تو دوسرا دوست جاگتا ہے۔

◉......ایک بڑھیا کا گھر بادشاہ کے محل کے قریب تھا، وہ رشتہ داروں کے ہاں کسی تقریب میں چلی گئی۔ پیچھے محل کی توسیع ہونی تھی تو پولیس والوں نے اس کی کٹیا گرا دی اور محل کو بڑا کر دیا۔ کئی مہینے بعد بڑھیا آئی تو اس کو کٹیا ہی نہ ملی۔ اس نے پولیس والے سے پوچھا: بھئی! یہاں میرا گھر تھا وہ کہاں گیا؟ اس نے کہا: بادشاہ کا محل بڑھانا تھا تُو تو یہاں تھی نہیں، لوگوں نے اس کو گرا کر بڑھا دیا۔ جب یہ پتہ چلا تو اس بڑھیا نے آسمان کی طرف دیکھا اور یہ الفاظ کہے کہ ''اے اللہ! میں اگر یہاں نہیں تھی تو تو یہیں تھا'' بس اتنا کہنا تھا کہ محل کی چھت زمین کے اوپر آ گئی۔ اللہ سے دوستی لگا کے تو دیکھیں۔ پھر وہ کیسے انسان کے ساتھ وفا فرماتے ہیں۔

◉......سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب واقعہ ہے۔ یہ حاکمِ وقت کی پروانہیں کرتے تھے، کھری باتیں کر دیتے تھے، ڈانٹ ڈپٹ کر دیتے تھے۔ تو ابوجعفر منصور جو بادشاہِ وقت تھا، اس کو ان پر بہت غصہ تھا۔ آپ ایک دفعہ حرمِ مکہ میں بیٹھے ہوئے تھے تو سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ محدث آئے اور انہوں نے کہا کہ سفیان ثوری! ابھی ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ ابوجعفر منصور نے یہ کہا ہے کہ میں مکہ کے سفر پر روانہ ہو چکا ہوں، میں مکہ میں داخل ہوں گا اور میں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کر کے قتل کروا دوں گا۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ پوچھا کہ کیا یہ بات پکی ہے؟ انہوں نے کہا: جی بالکل! مجھے ابھی کسی پکے بندے نے بتایا ہے کہ ابوجعفر منصور نے یہ کہا ہے۔ جب تصدیق ہو گئی تو اللہ سے محبت کرنے والوں کا بھی تو اپنا ایک رنگ ہوتا ہے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اٹھے

اور سیدھا ملتزم کے اوپر پہنچے ۔ ملتزم سے لپٹ کر دعا کی: اے اللہ! اگر منصور آج مکہ میں داخل ہو گیا تو تیری میری دوستی کا کوئی فائدہ نہیں ۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ ابوجعفر منصور طائف میں تھا کہ وہیں اس کو موت آ گئی اور وہ مکہ میں داخل ہی نہیں ہوسکا ۔ جن کی دوستی ہوتی ہے تو پھر وہ ایسی بات بھی کر پاتے ہیں ۔ ہم بھی اپنے اللہ سے دوستی لگائیں! اللہ رب العزت ہمیں اپنے چاہنے والوں میں شامل فرمائے ۔ (آمین ثم آمین)

﴿وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (البقرة: ۲۵۷)

ولایت کے درجات

بیان

محبوبُ العُلماءِ و الصُّلحاء

حضرت مولانا پیر ذُوالفقار احمد نقشبندی

مُجدِدی مدظلہم

اقتباس

اس کی مثال یوں سمجھ لیجیے کہ ایک آدمی یہ نیت کر لے کہ مجھے پہلوان بننا ہے پھر اس کے بعد وہ اکھاڑے میں جانا شروع کر دے، اچھی غذا کھانا شروع کر دے، ورزش کرے تو واقعی دو چار سال کے بعد وہ پہلوان بن جائے گا۔ اس کے پٹھے مضبوط بنے ہوئے ہوں گے، اس کو دوسرے کو پچھاڑنے کے داؤ و پیچ آتے ہوں گے، وہ پہلے جیسا آدمی نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے محنت کی ہے۔ تو جس طرح پہلوان بننا یہ کسبی چیز ہے۔ اسی طرح ولایت کو حاصل کرنا بھی کسبی چیز ہے۔ جو انسان ولی بننا چاہے وہ نیکی تقویٰ کی زندگی اختیار کرے ولی بن سکتا ہے، یہ کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

ولایت کے درجات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (البقرة:۲۵۷)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

ایک فطری خواہش:

جس شخص نے بھی کلمہ پڑھا اس کے دل میں ایک فطری خواہش ہوتی ہے کہ میں اللہ کا ولی بن جاؤں۔ بظاہر اعمال اچھے نہ ہوں، غفلت کی زندگی ہو، تمنا ضرور ہوتی ہے۔ آج کی اس مجلس میں اسی لفظ کے بارے میں چند باتیں آپ کی خدمت میں پیش کرنی ہیں۔

ہر انسان میں ولی بننے کی صلاحیت:

پہلی بات تو یہ کہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہر انسان ولی بالقوۃ ہے۔ اور ولی بالفعل بننے کے لیے عمل کی ضرورت ہے۔ ولی بالقوۃ کا مطلب یہ کہ اس میں ولی بننے کی صلاحیت ہے۔ عمل کی ضرورت ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھ لیں کہ ہر بیج کے اندر درخت بننے کی صلاحیت موجود ہے۔ لیکن ہر بیج درخت تو نہیں بنتا۔ درخت بننے کے لیے زرخیز زمین کا مل جانا، کوئی خیر خبر

رکھنے والا مالی مل جانا، پانی کا مل جانا، اچھے موسم کا مل جانا، جب یہ سب چیزیں اکٹھی ہوتی ہیں تو بیج اگتا ہے، پودا بنتا ہے اور بالآخر وہ درخت بن جاتا ہے۔ تو بیج میں درخت بننے کی صلاحیت تو موجود ہے مگر اس کے لیے چند چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر انسان میں ولی بننے کی صلاحیت تو موجود ہے مگر اس کو اچھے ماحول کی اور کسی اللہ والے کی ضرورت ہوتی ہے، تب ولی بنتا ہے۔ ورنہ تو جس طرح بیج زمین میں آ کر مر جاتا ہے انسان بھی برے ماحول میں آ کر اس کی جتنی بھی استعداد ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔

ولایت کسبی چیز ہے:

ولایت کسبی چیز ہے، نبوت وہبی چیز ہے۔ وہبی کہتے ہیں کہ اللہ رب العزت کی عطا کردہ۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت اپنے فضل اور کرم سے جن کو عطا کی ان کو ملی اور اس کا سلسلہ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ پر آ کر ختم ہو گیا لیکن ولایت کسبی چیز ہے۔ کسبی کا معنی ہے کہ محنت کر کے اس کو حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجیے کہ ایک آدمی یہ نیت کر لے کہ مجھے پہلوان بننا ہے پھر اس کے بعد وہ اکھاڑے میں جانا شروع کر دے، اچھی غذا کھانا شروع کر دے، ورزش کرے تو واقعی دو چار سال کے بعد وہ پہلوان بن جائے گا۔ اس کے Muscels (پٹھے) مضبوط بنے ہوئے ہوں گے، اس کو دوسرے کو پچھاڑنے کے داؤ و پیچ آتے ہوں گے، وہ پہلے جیسا آدمی نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے محنت کی ہے۔ تو جس طرح پہلوان بننا یہ کسبی چیز ہے۔ اسی طرح ولایت کو حاصل کرنا بھی کسبی چیز ہے۔ جو انسان ولی بننا چاہے وہ نیکی تقویٰ کی زندگی اختیار کرے ولی بن سکتا ہے، یہ کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔

ولایت کی دو قسمیں

ولایت دو طرح کی ہے

☆ ایک کو کہتے ہیں ولایتِ عامہ

☆ اور دوسری کو کہتے ہیں ولایتِ خاصہ

(۱) ولایت عامہ:

جس بندے نے بھی کلمہ پڑھا اس کو عمومی ولایت حاصل ہوگئی۔ کیوں کہ اللہ رب العزت نے خود فرما دیا:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (البقرۃ:۲۵۷)

''اللہ دوست ہے ایمان والوں کا''

یہ عمومی ولایت تو ہر کلمہ گو کو حاصل ہے۔ غافل ہے یا باعمل ہے جیسی بھی زندگی گزار رہا ہے لیکن کلمہ پڑھا ہے، یہ کلمہ کا پڑھ لینا اتنا بڑا عمل ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

دو قسم کے لوگ:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندوں کی تقسیم بہت کھلی ڈھلی ہے۔اور وہ دو طرح کی ہے۔

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ﴾ (التغابن:۲)

''وہ ذات جس نے تمہیں پیدا کیا تم میں سے کچھ کافر ہیں اور کچھ مومن''

مطلب یہ کہ

......کچھ ماننے والے ہیں کچھ نہ ماننے والے ہیں۔

......کچھ تم میں سے یار ہیں اور کچھ تم میں سے غدار ہیں۔

یہ سیدھی سیدھی تقسیم ہے، درمیان میں کچھ نہیں ہے۔جس نے کلمہ پڑھ لیا، وہ ماننے والا یار بن گیا، اپنوں میں شامل ہو گیا اور جس نے انکار کیا وہ غدار ہے، غیر ہے، وہ اللہ کی نعمتیں کھاتا ہے اور اسی کی نافرمانیاں کرتا ہے۔

ہر کلمہ گو سے محبت ہونی چاہیے:

تو جس نے بھی کلمہ پڑھا اس کو عمومی ولایت کا یہ رتبہ حاصل ہو گیا۔ اسی لیے ہر کلمہ گو بندے سے محبت رکھنی چاہیے۔ اس کے ظاہری غفلت والے کاموں کو نہ دیکھا کریں کسی وقت بھی وہ توبہ کر لے تو ہم سے اچھا، ہم سے بہتر ہے۔ اسی لیے کہ کلمہ پڑھنے والا اب اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں شامل ہو گیا ہے۔ یہ عمومی ولایت کا رتبہ ہر ایک کو حاصل ہے۔

ایمان والوں سے اللہ کی محبت کی دلیل:

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ اپنی مجالس میں اکثر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بہت محبت فرماتا ہے، اس کی دلیل کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ بھئی! جہاں محبت کا تعلق ہوتا ہے وہاں محبّ اپنے محبوب کو جتنا مرضی دے دے لیکن سمجھتا ہے میں نے بہت تھوڑا دیا ہے۔ اور اگر اس کے بدلے میں محبوب تھوڑا سا بھی کچھ دے دے سمجھتا ہے کہ مجھے بہت مل گیا ہے یہ محبت کی پہچان ہے۔ اس نے کہا: ہاں بات تو ایسے ہی ہے۔ آپ پھر فرمانے لگے: قرآن مجید پر نظر دوڑاؤ کہ اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو کتنی نعمتیں دی ہیں؟ فرمایا:

﴿وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (النحل:۱۸)

تم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو گننا چاہو تم گن بھی نہیں سکتے۔

ان گنت نعمتیں دینے کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ﴾ (النساء:۷۷)

''کہہ دو کہ دنیا کی متاع بہت تھوڑی ہے''

تو ان گنت نعمتیں دے دیں لیکن ان کے لیے لفظ قلیل کا لفظ استعمال کیا اور اس کے جواب میں بندے نے اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا، اللہ کو یاد کیا۔ زندگی کا وقت محدود اور عمل بھی محدود ہے۔ تو یہ عمل تو تھوڑا ہی تھا لیکن اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ﴾ (الاحزاب:۳۵)

تو جو محدود عمل تھا اس پر کثیر کا لفظ استعمال فرمایا اور ان گنت نعمتیں دے کر قلیل کا لفظ استعمال فرمایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے محبت کرتے ہیں۔

ایمان کی قدر ہونی چاہیے:

اللہ تعالیٰ کو ایمان والوں سے محبت ہے تو ہمیں اپنے اس ایمان کی Value (قدر) کا اندازہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ اندازہ نہ ہو تو بندہ ایمان ضائع کر بیٹھتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں بچہ تھا، ماں نے سونے کی انگوٹھی پہنا دی۔ باہر نکلا تو ایک ٹھگ مل گیا۔ اس ٹھگ نے مجھے کہا کہ ادھر آؤ یہ ذرا اپنی انگوٹھی کو چکھو کیسا ذائقہ ہے؟ میں نے چکھا تو بے ذائقہ تھی۔ اس کے پاس گڑ کی ایک ڈلی تھی

اس نے کہا کہ اسے چکھو! میں نے چکھا تو بڑا میٹھا ذائقہ۔ کہتا ہے: میٹھی چیز لے لو اور پھیکی چیز دے دو۔ میں نے سودا کر لیا اور گڑ کی ڈلی لے لی آ کر ماں کو دکھایا کہ اماں میں انگوٹھی کے بدلے یہ لے کے آیا ہوں۔ کیوں؟ اس لیے کہ بچے تھے قیمت کا اندازہ نہیں تھا۔ بالکل اسی طرح چونکہ ہمارے دل میں ایمان کی اہمیت نہیں ہوتی تو شیطان جو ٹھگ ہے وہ پھر ہمیں ٹھگ لیتا ہے، ایسی باتیں کہلوا دیتا ہے جو کلماتِ کفر ہوتی ہیں۔

ایمان والوں سے اللہ کی دوستی:

تو جس نے بھی کلمہ پڑھا وہ اللہ رب العزت کے دوستوں میں شامل ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ محبت نسبت بھی اپنی طرف چاہتی ہے۔ اللہ رب العزت نے نسبت بھی اپنی طرف فرمائی۔ فرمایا

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (البقرۃ:۲۵۷)

''اللہ دوست ہے ایمان والوں کا''

اب اس کی مثال یوں سمجھ لیں کہ اگر کوئی بادشاہ ہو اور اپنے نوکر کو کہے کہ آج کے بعد تم میرے دوست ہو، تو نوکر کے لیے یہ بڑے اعزاز کی بات ہے۔ بادشاہ کا بڑا اکرم ہوا اس پر کہ بادشاہ نے اسے اپنے دوستوں میں شامل کر لیا۔ لیکن اگر بادشاہ یہ الفاظ کہہ دے کہ میں تمہارے دوستوں میں شامل ہوں تو یہ تو اور بڑی بات ہو گی۔ اللہ اکبر!۔ جو نسبت بادشاہ کی نوکر کے ساتھ ہوتی ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں ہے۔ ہم تو بندے ہیں، ہماری کیا اوقات ہے ان کے سامنے؟ ۔ لیکن پروردگارِ عالم کی رحمت دیکھیے کہ اللہ رب العزت نے اپنی طرف نسبت فرمائی کہ ''اللہ

دوست ہے ایمان والوں کا'' بھئی! اگر یوں بھی فرما دیتے کہ ایمان والے اللہ کے دوست ہیں تو بات تو پھر بھی ٹھیک ہوتی مگر محبت کا تقاضا ہوتا ہے کہ نسبت اپنی طرف کی جائے، اس لیے فرمایا:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (البقرۃ:۲۵۷)

''اللہ دوست ہے ایمان والوں کا''

(۲) ولایت خاصہ:

دوسری ہے ولایتِ خاصہ۔ جس کو ہم حقیقتاً ولایت سمجھتے ہیں اور جس کی تمنا ہم دل میں رکھتے ہیں۔ عام طور پر ولی کا لفظ اسی ولایت پر بولا جاتا ہے کہ فلاں بندہ ولی ہے، فلاں بڑے ولی گزرے ہیں۔ اس سے مراد یہی ولایت ہوتی ہے۔ یہ بھی کسبی چیز ہے، حاصل کی جاسکتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ولایت کیسے حاصل کی جائے؟ اس کا مفہوم ذہنوں اچھی طرح واضح ہونا چاہیے کہ ولایت ہوتی کیا ہے؟ دیکھیں!

......ولایت رنگوں کو دیکھنے کا نام نہیں ہے۔

......اچھے خواب دیکھنے کا نام نہیں ہے۔

......پانی پہ چلنے کا نام نہیں ہے۔

......ہوا میں اڑنے کا نام نہیں ہے۔

......مقدمات فتح ہو جانے کا نام نہیں ہے۔

......دعائیں قبول ہو جانے کا نام ولایت نہیں ہے۔

......دشمن پہ غالب آجانے کا نام نہیں ہے۔

......دنیا میں شہرت ہو جانا اس کا نام ولایت نہیں ہے۔

......انسان زیادہ باتیں کرنے والا بن جائے اس کا نام ولایت نہیں ہے۔

ولایت اس میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ ولایت کہتے ہیں کہ انسان اللہ رب العزت کی نافرمانی کو ترک کر دے، اس کی زندگی سے گناہ نکل جائیں، اس کو مقامِ تسلیم نصیب ہو جائے۔ جیسے فرمایا: ابراہیم کے بارے میں

﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (البقرۃ:۱۳۱)

''جب ان کے پروردگار نے کہا کہ سر تسلیم خم کرو! تو وہ (فوراً) بول اٹھے میں نے رب العالمین کے سامنے سر جھکا دیا''

جو اللہ کے سامنے جھک جائے اور تہیہ کر لے کہ میں نے آج کے بعد علم اور ارادے سے گناہ نہیں کرنا۔ وہ اللہ کا ولی ہے۔

تقویٰ والے اللہ کے ولی:

جو بندہ بھی ارادہ کر لے کہ میں نے آج کے بعد علم اور ارادے سے گناہ نہیں کرنا اور پھر خلافِ شریعت کاموں سے بچے، یہ شخص اللہ کا ولی ہے۔ یہ متقی شخص ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ (الانفال:۳۴)

''جو متقی ہوتے ہیں وہی اللہ کے ولی ہوتے ہیں''

تو یہ سادہ سی بات ہے۔ یہ نہ سمجھیں کہ جی ولی بننے کے لیے پتہ نہیں سالوں بھوکا رہنا پڑے گا...... گھر کو چھوڑ کر جانا پڑے گا...... بیوی سے دور ہونا پڑے گا...... صاف ستھرا لباس پہننا چھوڑنا پڑے گا۔ یہ سب غلط تصورات ہیں۔ شریعت کے دائرے میں جو چیز جائز ہے آپ اس کو کیجیے، لیکن دائرہ شریعت کے اندر رہیے۔ جو شخص اپنے آپ پہ اتنا قابو پا لے کہ کوئی کام شریعت کے خلاف نہ کرے یہ شخص اللہ تعالیٰ کے خصوصی اولیا میں شامل ہے۔ اب اس نے ارادۃً گناہ چھوڑ دیا، یہ اللہ کا ولی بن گیا ہے۔ اب

اس کی زندگی دائرہ شریعت کے اندر گزر رہی ہے، یہ گناہوں کو کرنے کے حیلے بہانے نہیں ڈھونڈتا، اب اس کی فطرت ایسی اچھی ہوگئی کہ بس جو حکمِ شریعت ہے اس پہ سر جھکا دیتا ہے، ہر کام سنت کے مطابق کرتا ہے، اللہ کو راضی کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے، دن رات اسی محنت میں، اسی کام میں لگا ہوا ہے، یہ اللہ کا ولی ہے۔

ہر قسم کا بندہ ولایت حاصل کرسکتا ہے:

جو بندہ شریعت کے آگے سرِ تسلیم خم کر چکا، اب یہ چاہے دفتر بھی جائے، کھیتی باڑی بھی کرے، بزنس بھی کرے، ہر کام کرے مگر یہ اللہ کا ولی ہے۔ تو اس کا مطلب یہ کہ سکولوں میں، کالجوں میں، یونیورسٹیوں میں، دفتروں میں زندگی گزارنے والے بھی ولی بن سکتے ہیں۔ یہ جو تصور دل میں آجاتا ہے کہ ولی بننے کے لیے تو شاید سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مصلے سے چپکنا پڑے گا۔ نہیں! ایسی بات نہیں۔ جو عبادت مصلے پہ ہوتی ہے، وہ تو کرنی ہی ہے، اس کے علاوہ بھی باقی ہر کام شریعت کے مطابق کرنا، اس کا نام ولایت ہے۔ اتنی سادہ سی بات ہے۔ بس ایک Cometment (عہد) چاہیے کہ آج کے بعد میں نے گناہ نہیں کرنا۔ کسی فاسقہ کا شعر ہے:

دلوں من لئی تیری بن گئی

جس آدمی نے اللہ کے سامنے یہ کہہ دیا کہ اللہ! آج سے میں نے دل سے مان لیا کہ میں تیرا بن گیا، اسے ولایت مل گئی۔

لمحوں میں ولایت ملتی ہے:

کوئی سالوں کی ضرورت نہیں، کوئی مہینوں کی ضرورت نہیں، لمحوں میں ولایت ملتی ہے۔ ایک عہد کرنا ہے...... ایک کمٹمنٹ کرنی ہے کہ میں نے آج کے بعد گناہ نہیں

کرنا۔ اور پھر شریعت کے مطابق چلے۔ جیسے سدھایا ہوا جانور اپنے مالک کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔

شریعت کے راکھویں لیلے:

بعض دفعہ قربانی کے موقع پہ لوگ مینڈھے بکرے پالتے ہیں تو ان کو رسی نہیں ڈالتے۔ نہلا دھلا کے شام کو لوگ نکلتے ہیں تو جانوران کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ مالک بات کرنے کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے تو وہ بھی کھڑا ہو جاتا ہے، مالک چل پڑتا ہے تو وہ بھی چل پڑتا ہے۔ مالک دائیں مڑا تو یہ بھی دائیں مڑ جاتا ہے۔ اس کو ہم کہتے ہیں راکھواں لیلا۔ جو ولی ہوتا ہے وہ شریعت کا راکھواں لیلا ہوتا ہے۔ جو شریعت نے کہا یہ پیچھے پیچھے چل رہے ہیں، یہ اللہ کا ولی ہے۔ گورا ہے کالا ہے...... عربی ہے عجمی ہے...... امیر ہے یا غریب ہے...... یہ مخمل قالینوں پہ زندگی گزارتا ہے یا جھونپڑی میں رہتا ہے ...... جو بھی ہے اس سے فرق نہیں پڑتا، بس دیکھنا یہ ہے کہ ہر کام شریعت کے مطابق کرتا ہے یا نہیں کرتا۔

ہمارے سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ تھے خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے گھوڑے چاندی کی میخوں سے باندھے جاتے تھے۔ اللہ نے ان کو اتنا مال پیسہ دیا تھا لیکن وہ کبار اولیا میں سے تھے۔

گناہوں کو چھوڑنے والا مستجاب الدعوات:

تو ولایت کا حاصل کرنا بہت آسان کہ انسان عہد کر لے کہ آج کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرنی۔ چنانچہ ہمارے بزرگوں نے ایک عجیب بات فرمائی ہے، فرمایا:

''جو شخص علم اور ارادہ سے گناہ کرنا چھوڑ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس بندے کی دعاؤں کو رد کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کو حیا آتی ہے کہ میرا بندہ میرے ہر حکم پر سر جھکا دیتا ہے، میں اس کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کو کیسے واپس لوٹا سکتا ہوں؟ چنانچہ گناہوں کو ترک کرنے سے بندے کو اللہ کا ایسا قرب ملتا ہے کہ وہ بندہ مستجاب الدعوات بن جاتا ہے۔ یہی ولایتِ خاصہ ہے۔

تو جس کو خصوصی ولایت کہتے ہیں اس کو حاصل کرنے کے لیے اللہ سے ایک عہد کرنا پڑتا ہے۔ جیسے جن لوگوں کے نفسانی شیطانی تعلقات ہوتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کے ساتھ وعدے وعید کرتے ہیں، یہ بھی اسی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تنہائی میں بیٹھ کر ایک وعدہ کرنا ہوتا ہے کہ اے اللہ! بس آج کے بعد آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرنی اور پھر اس پر انسان محنت کرے کہ گناہ صادر نہ ہو۔

عبادت کرنے کی نسبت گناہوں کو ترک کرنا ضروری ہے:

یہ بات پھر ذہن میں رکھیں کہ بندہ اگر ایک چھٹانک محنت نیک اعمال کرنے پر کرے تو ایک من محنت گناہوں سے بچنے کے لیے کرے۔ جس نے گناہوں کو اپنی زندگی سے نکال دیا، ختم کر دیا، وہ اللہ کا ولی بن گیا۔ لمبی چوڑی تسبیحات نہیں پڑھتا، عبادتیں نہیں کرتا، کوئی بات نہیں وہ اس کے اپنے معمولات ہیں، تقاضے ہیں۔ یہ عبادت کر سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ یہ دیکھتے ہیں کہ گناہ تو نہیں کرتا۔ اس لیے گناہوں سے دور رہیں، اسی کو تقویٰ کہتے ہیں اور اسی پر ولایت ملتی ہے۔ ولایت کا پہلا درجہ حاصل کرنا بہت آسان ہے، اس کو کہتے ہیں ولایتِ صغریٰ۔

ولایتِ خاصہ کے درجات

اس ولایت کے آگے پھر دو حصے ہیں۔ایک کو کہتے ہیں: ولایتِ صغریٰ اور دوسری کو کہتے ہیں ولایت کبریٰ۔اس کا فرق ذرا سمجھ لیجیے۔

(۱) ولایتِ صغرٰی:

ولایت صغریٰ کہتے ہیں کہ انسان عہد کرے کہ میں نے اللہ کی نافرمانی نہیں کرنی اور اس کے اوپر استقامت کے ساتھ جم جائے۔اگرچہ دل گناہ کی طرف مائل ہو رہا ہو مگر پھر بھی شریعت پر لگا رہے تو اس کو کہیں گے ولایت صغرٰی۔طلب تو ہوتی ہے لذات کی، دل تو چاہتا ہے کہ میں راستہ چلتے ہوئے دیکھوں دائیں بائیں کون ہے؟ مگر یہ آنکھوں کو محفوظ رکھتا ہے، نظر کو بچاتا ہے۔زکوٰۃ دیتے ہوئے طبیعت مغموم سی ہوتی ہے، مگر زکوۃ دیتا ہے۔صبح اٹھتے ہوئے سستی محسوس ہوتی ہے مگر تہجد پڑھتا ہے، تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ نمازیں پڑھتا ہے۔تو جس بندے کو میلان تو محسوس ہوتا ہو مگر وہ اپنے آپ کو قابو کر کے شریعت کے اوپر ہمیشہ چلاتا رہے، اس کو ولایتِ صغریٰ کہتے ہیں۔یہ ولی ہے اور اس کو ولایت صغریٰ حاصل ہے۔

(۲) ولایتِ کبرٰی:

اور ایک ہے ولایت کبریٰ۔ولایت کبرٰی کے حامل وہ لوگ ہوتے ہیں جو اتنا ذکر کرتے ہیں، اتنا اللہ والوں کی صحبت میں رہتے ہیں اور ان کے دل اتنے منور ہو جاتے ہیں کہ ان کی طبیعتیں شریعت کے مطابق ڈھل جاتی ہیں۔مکروہاتِ شرعیہ ان کے لیے مکروہات طبعیہ بن جاتے ہیں۔جن چیزوں سے شریعت نے کراہت کا حکم

دیا، طبیعت بھی کراہت کرنے لگ جاتی ہے۔

مثال کے طور پر: کتنے لوگ ہیں کہ سگریٹ کا دھواں ہی ان کو برا لگتا ہے اور وہ بھی ہیں جو پیے بغیر رہ نہیں سکتے۔ تو اصل تو یہ ہے کہ ایسی طبیعت ہو کہ پینا تو درکنار دھواں بھی اچھا نہ لگے، طبیعت مائل ہی نہ ہو۔

بعض جاہل لوگ موسیقی کو روح کی غذا کہتے پھرتے ہیں، جب کہ بعض لوگوں کو موسیقی سے کراہت ہوتی ہے۔ آپ نے خود بھی تجربہ کیا ہوگا کہ نماز کی جماعت ہو رہی ہو اور اس دوران اگر کسی کے فون کی موسیقی والی گھنٹی بجے تو بتائیں طبیعت میں کتنی کراہت ہوتی ہے۔ تو جو ہماری کیفیت اس وقت ہوتی ہے کہ طبیعت کراہت کر رہی ہوتی ہے کہ کیوں بج رہا ہے؟ جس کو ولایتِ کبریٰ کا ولی کہتے ہیں اس کی ہر گناہ کے بارے میں یہی طبیعت ہو جاتی ہے۔ وہ ہر گناہ کے بارے میں کراہت کرتا ہے، گناہ سے اسے اتنا بعد ہو جاتا ہے۔

ولایت سے پہلے اور بعد کا فرق:

جیسے حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: بیعت ہونے سے پہلے اور بعد میں تمہیں اپنے اندر کیا فرق نظر آیا؟ تو انہوں نے تین باتیں بتائی تھیں:

ایک فرمایا کہ حضرت بیعت ہونے سے پہلے جب میں مطالعہ کرتا تھا تو بہت اشکالات پیش آتے تھے اور بہت جگہ پہ مجھے تعارض نظر آتا تھا اور اس کو رفع کرنے کے لیے مجھے کتابوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا، علما اساتذہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا، پھر جا کے وہ رفع ہوتا تھا۔ جب سے بیعت ہوا ہوں مجھے نصوصِ شرعیہ میں کہیں تعارض نظر نہیں آتا۔

حضرت نے پوچھا: دوسری تبدیلی کونسی ؟ کہنے لگے : دوسری تبدیلی مجھے اپنے اندر یہ محسوس ہوئی ہے کہ جن چیزوں سے شریعت نے منع کیا، طبیعت بھی کراہت کرتی ہے۔ دل ہی نہیں چاہتا اس کام کے کرنے کو۔

حضرت نے فرمایا: تیسری تبدیلی کیا ہوئی ؟ فرمانے لگے تیسری چیز یہ کہ اب دین کے معاملے میں لوگوں کی تعریف یا بدتعریفی میرے لیے برابر ہے، جو حق بات ہوتی ہے میں وہ کہہ دیتا ہوں۔

تو حضرت نے فرمایا: میاں رشید احمد! الحمد اللہ دین کے تین درجے ہیں۔

ایک ہے علم...... دوسرا ہے عمل...... تیسرا ہے اخلاص۔

......علم کا کمال یہ ہے کہ نصوصِ شرعیہ میں کہیں تعارض نظر نہ آئے۔

......عمل کا کمال یہ ہے کہ مکروہات شرعیہ مکروہات طبیعہ بن جائیں۔

......اور اخلاص کا کمال یہ ہے کہ لوگوں کی مدح اور ذم انسان کی نظر میں برابر ہو جائے۔

مبارک ہو! تمہیں بیعت کی برکت سے اللہ نے علم میں بھی کمال عطا کر دیا، عمل میں بھی کمال عطا کر دیا اور اخلاص میں بھی کمال عطا کر دیا۔ تو جن کو ہم ولایت کبریٰ کے اولیا کہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جن کے مزاج اتنے سلیم الفطرت بن جاتے ہیں، شریعت کے ایسے مطابق ڈھل جاتے ہیں کہ بس جو حکم خدا وہی ان کی اپنی بھی طبیعت کا چوائس ہو جاتا ہے۔

طبعی کراہت کی ایک اور مثال:

اب اس میں ایک مثال اور ذرا سن لیجیے۔ ہم لوگ جو مسلمان گھروں میں پیدا ہوئے تو ماں باپ نے کچھ چیزیں شروع سے ذہن میں ڈالیں۔ ہم لوگوں کو سؤر کے

نام سے بھی بہت نفرت ہوتی ہے۔ ہم نے دیکھا کہ جو لوگ باہر چلے جاتے ہیں، وہ اور گناہوں میں ملوث ہو جائیں گے لیکن اگر مسلمان ہیں تو وہ سوٴر سے بچتے ہیں، احتیاط کرتے ہیں۔

چنانچہ باہر ملک میں ایک جگہ پر ہمیں تجربہ ہوا۔ ایک مسلمان تھا، اس نے ہوٹل بنایا، وہ فور سیزن ہوٹل بڑا عالیشان تھا۔ جب بنا رہا تھا تو ہم نے اسے مشورہ دیا بھئی! یہاں پر مسلمانوں کے کئی سو گھر ہیں اور وہ تقریباً سارے کے سارے ڈاکٹر ہیں اور بیویاں بھی ڈاکٹرنیاں ہیں۔ تو ان کے گھروں میں کھانا پکانے والا کوئی نہیں تو اگر آپ یہاں پر اچھا پاکیزہ کھانا تیار کریں گے تو سینکڑوں گھروں میں آپ کا کھانا روز بھی جائے گا اور ان کی ہر دعوت میں آپ ہی کی طرف سے کھانا جائے گا، بڑا اچھا چلے گا۔ اس نے یہ نیت کر لی مگر انسان کوتاہیاں، غلطیاں کر جاتا ہے۔ جب وہ بن کر تیار ہوا تو کسی نے ذہن میں ڈال دیا، یار یہاں تو بڑے گورے اور گوریاں رہتی ہیں۔ تعداد تو ان کی زیادہ ہے، وہ اگر تمہارے پاس آئیں گے تو بکری زیادہ ہوگی۔ اس کی کمبختی کہ اس نے ابتدائی دنوں میں ایک گورے کی دعوت کے لیے سوٴر کا گوشت پکا دیا۔ اب جو یہ خبر اٹھی اور نکلی تو اس جگہ کے مسلمانوں نے اس کی دکان پہ جانا ہی چھوڑ دیا۔ حتیٰ کہ اس کو اپنا ریسٹورنٹ بیچ کر خسارے پہ وہاں سے جانا پڑ گیا۔ پھر ہمیں احساس ہوا کہ یہ جتنے ڈاکٹر حضرات تھے وہ سارے جدت زدہ لوگ تھے لیکن سوٴر کے بارے میں ان کے دلوں میں بھی کتنی کراہت تھی کہ صرف اتنا پتہ چلنے پہ کہ اس جگہ پہ سوٴر کا گوشت پکایا گیا ہے، انہوں نے اس ریسٹورنٹ کی طرف جانا ہی چھوڑ دیا۔ تو جس طرح ان لوگوں کے دل میں سوٴر کے بارے میں کراہت تھی، ولایت کبریٰ کے مقام کے لوگ ہر گناہ سے ایسی ہی کراہت محسوس کرتی ہے۔

اللہ کے ولی، اللہ کی حفاظت میں:

جس کو ہم ولایت کبریٰ کا انسان کہتے ہیں، یہ وہ ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت ہی گناہ کی طرف مائل نہیں ہوتی، میلان ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فرشتہ بن جاتا ہے، نہیں فرشتہ نہیں ہوتا مگر اس پر اللہ کی اتنی رحمت ہو جاتی ہے اور اس نے اتنا ذکر کیا ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت شریعت کے مطابق ڈھل جاتی ہے۔ بس پھر شریعت پر چلنا اور گناہ سے بچنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ اس کو ولایت کبریٰ کے مقام کے اولیا کہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کی حفاظت میں آجاتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ (الحجر:۴۲)

''جو میرے بندے ہیں (بدبخت شیطان!) تیرا ان پر داؤ نہیں چل سکتا''

وہ محفوظ ہو جاتے ہیں، وہ اللہ کی حفاظت میں آجاتے ہیں۔ پھر اللہ ان کی شیطان سے حفاظت فرماتے ہیں۔ ان پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا۔

نبوت اور ولایت میں فرق:

اب یہاں پر آخری بات جس پر میں اپنی بات کو مکمل کروں گا۔ ایک ہوتی ہے ولایت اور ایک ہوتی ہے نبوت۔ ان میں کیا فرق ہے؟

ایک فرق تو پہلے بتا دیا کہ ولایت کسبی چیز ہے اور نبوت وہبی چیز ہے۔ اور ایک دوسرا فرق سمجھ لیں کہ اولیا محفوظ ہوتے ہیں، انبیا معصوم ہوتے ہیں۔ اولیا محفوظ ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اولیا کو گناہوں کے قریب جانے سے روکتے ہیں۔ جیسے بچہ آگ کی طرف جا رہا ہو تو ماں پکڑ لیتی ہے۔ ہم نے دیکھا کہ ٹائلٹ کا دروازہ کھلا ہے، چھوٹا بچہ

اندر بھاگتا ہے، ماں واپس پکڑ لیتی ہے، جانے نہیں دیتی۔ اسی طرح اگر بالفرض اس ولایت کے مقام کا بندہ اگر کسی وقت گناہ کی طرف قدم بھی اٹھانا بھی چاہے، اللہ بڑھتے قدموں کو روک لیتے ہیں، محفوظ فرما لیتے ہیں۔ تو اولیا محفوظ ہوتے ہیں اور انبیا معصوم ہوتے ہیں۔ معصوم کا کیا مطلب؟ وہاں معصیت کا تصور ہی نہیں ہوتا، خیال ہی نہیں آتا۔ تو موٹی بات کہ اولیا کو اللہ گناہوں کے قریب جانے سے روکتے ہیں اور انبیا کی یہ شان ہوتی ہے کہ اللہ گناہوں کو ان کے قریب جانے سے روک دیتے ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿كَذَالِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْءَ وَ الْفَحْشَاءَ﴾ (یوسف:۲۴)

''اس طرح ہم نے برائی اور بے حیائی کو ہٹا دیا ان سے''

انبیا کے قریب ہی نہیں جانے دیا، وہ اتنی عظیم ہستیاں ہوتی ہیں۔

اللہ سے دوستی لگانے کا آج وقت ہے:

آج موقع ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ نعمت مانگیں کہ رب کریم ہمیں اپنی قرب کا وہ درجہ عطا کر دیجیے جس کو آپ اپنا دوست کہتے ہیں۔ جو شخص دنیا میں اللہ سے دوستی لگانے کی کوشش کرے گا، اللہ کی رحمت سے یہ بعید ہے کہ قیامت کے دن اس کو دشمنوں کی قطار میں کھڑا فرما دیں۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ یہ دوستی لگانے کی کوشش میں لگا رہے، کوشش کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ اسے دشمنوں کی قطار میں کھڑا کر دیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس امت میں ایسے ایسے لوگ ہیں کہ بیس بیس سال تک گناہ لکھنے والے فرشتے کو گناہ لکھنے کا موقع نہیں ملا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔ جس میں انہوں نے کہا کہ

اَلْاِمْرَءَ ۃٌ مُتَکَلِّمَۃٌ بِالْقُرْآنِ

''وہ عورت جو قرآن پاک کے الفاظ سے گفتگو کرتی تھی۔''

اس کے بیٹے نے کہا کہ میری والدہ کے منہ سے بیس سال میں قرآن مجید کے سوا کوئی دوسرا لفظ نہیں نکلا۔ تو جب قیامت کے دن ایسی ایسی زندگی گزار کے اس امت کے حضرات جائیں گے تو ہم ذرا اپنے من میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم اپنے گناہوں کے انبار کو سر پہ اٹھا کے کتنی شرمندگی کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔ آج وقت ہے کہ ان سے توبہ کر لیں اور اللہ کے دوستوں میں شامل ہونے کے لیے اپنی ہمتیں لگا لیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دائرۂ شریعت کے اندر پوری زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ (الکہف:۲۸)

تین محبوب چیزیں

بیان: محبوب العلماوالصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 28 ستمبر 2011ء بروز بدھ ، ۲۹ شوال ۱۴۳۲ھ

موقع: خواتین سے خطاب

مقام: (Huddersfield) ہڈرزفیلڈ برطانیہ

اقتباس

یہ ایک عجیب محفل تھی اس دنیا میں۔ محبوب ﷺ نے تین محبوب چیزیں بتائیں...... صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی بتائیں...... عمر رضی اللہ عنہ نے بھی بتائیں...... عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی بتائیں ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی بتائیں...... پھر جبرائیل علیہ السلام نے بھی بتائیں اور آخر پر اللہ رب العزت نے بھی بتائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام پسندیدہ چیزوں کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

تین محبوب چیزیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ (الکہف:۲۸)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّم

نبی علیہ السلام کی مجالس، مثالی مجالس:

قرآن مجید فرقان حمید کی ایک آیت مبارکہ تلاوت کی گئی۔ رب کریم ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ ﴾ اے میرے حبیب! آپ اپنے آپ کو بٹھایئے، روکیے، اپنے آپ کو صبر دیجیے ﴿ مَعَ الَّذِيْنَ ﴾ ان لوگوں کے ساتھ ﴿ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ جو صبح و شام اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اللہ رب العزت کی رضا چاہتے ہیں۔ صحابہ کے دل میں دین سیکھنے کا اتنا شوق تھا، علم حاصل کرنے کی اتنی طلب تھی کہ ان کی طلب اللہ رب العزت کو پسند آ گئی۔ چنانچہ پروردگارِ عالم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا: آپ ان کے درمیان بیٹھا کیجیے، ان کو اپنے ملفوظات، اپنی گفتگو، اپنے اقوال سنایا کیجیے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو صبح و شام اللہ کو یاد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے۔

حدیث پاک میں بھی آتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد میں تشریف لائے تو کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اللہ رب العزت کا ذکر کر رہے تھے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ لوگ کیا کر رہے تھے؟ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کو یاد کر رہے تھے۔ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: مجھے حکم ہوا ہے کہ میں آ کر تمہارے درمیان بیٹھوں۔

(سنن ابی داؤد، رقم: ۳۶۶۸، باب فی القصص)

اب ذرا غور کیجیے کہ یہ صحابہ کی کتنی خوش نصیبی تھی کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان رونق افروز ہوتے تھے۔ ع

جیسے چاند سجا ہے تاروں سے یوں بزم سجی تیرے یاروں سے

تو نبی علیہ السلام کی مثال چودھویں کے چاند کی سی تھی اور صحابہ کی مثال ستاروں کی سی تھی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

﴿اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ﴾ (جامع الاصول فی احادیث الرسول، رقم: ۶۳۶۹، ۸/۵۵۶)

''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں''

تو معلوم ہوا یہ ایسی مجالس تھیں جو اپنی مثال آپ تھیں۔ نہ زمین نے کبھی ایسی مجالس دیکھیں، نہ آسمان نے کبھی ایسی مجالس دیکھیں۔ اللہ رب العزت کو یہ مجالس بہت پسند تھیں۔

ایک یادگار مجلس کا تذکرہ:

آج کی اس مجلس میں ہم ایک ایسی ہی یادگار مجلس کا تذکرہ کریں گے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دفعہ صحابہ کے درمیان بیٹھے تھے، اور اس میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ان کے چاروں یار بھی موجود تھے۔ باتوں باتوں میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تین پسندیدہ چیزوں کا ذکر چھیڑا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تین محبوب چیزیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثٌ﴾ (کشف الخفاء:۱/۳۴۰)

''تمہاری دنیا سے مجھے تین چیزیں اچھی لگتی ہیں''

ذرا غور کیجیے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے اس دنیا سے بلکہ فرمایا: مِنْ دُنْیَاکُم تمہاری دنیا سے۔ جیسے اپنا تو کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا، واسطہ ہی نہیں ہوتا۔ اس سے اندازہ لگانا چاہیے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اس دنیا سے کتنا کٹا ہوا تھا۔ تو فرمایا کہ مجھے تمہاری اس دنیا سے تین چیزیں اچھی لگتی ہیں۔

پہلی چیز......خوشبو اچھی لگتی ہے

دوسری چیز......نیک بیوی اچھی لگتی ہے

اور تیسری چیز فرمائی......میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

ظاہر اور باطن کی پاکیزگی مقصود ہے:

اب ذرا اس پر غور کیجیے کہ انسان جب اپنے بدن کو صاف کر کے خوشبو لگاتا ہے تو پورا بدن معطر ہو جاتا ہے، صاف ستھرا ہو جاتا ہے تو خوشبو ظاہر بدن کو پسندیدہ بنا دیتی ہے۔

دوسری بات ہے میاں بیوی کی۔ تو جو خاوند اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھتا، اٹھتا ہو اس کے ذہنی خیالات پاک ہو جاتے ہیں۔ اس کے ذہن میں یہ نفسانی، شیطانی، شہوانی خیالات نہیں رہتے، کیونکہ جب اس کی ضرورت ہو اس کے ساتھ اس کی بیوی موجود رہتی ہے۔ گویا بیوی کی وجہ سے انسان کی سوچ بھی پاک ہو جاتی ہے۔

اور تیسری چیز فرمائی: نماز۔ نماز سے انسان کا دل پاک ہو جاتا ہے، انسان کے دل کی ظلمت ختم ہو جاتی ہے، دل منور ہو جاتا ہے، دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے لبریز ہو جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا:

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ﴾ (العنکبوت:۴۵)

''نماز برائی اور فحش کاموں سے روک دیتی ہے''

تو غور کیجیے کہ یہ تین چیزیں اتنی اہم ہیں کہ یہ انسان کے ظاہر و باطن کو پاک صاف کر دیتی ہیں۔

......خوشبو سے انسان کا جسم پاک صاف

......بیوی کی وجہ سے انسان کی سوچیں پاک

......اور نماز کی وجہ سے انسان کے معاملات بھی ٹھیک اور دل بھی پاک۔

اس کو کہتے ہیں من بھی پاک ہو گیا، تن بھی پاک ہو گیا اور ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔ اس کی دلیل قرآن عظیم الشان میں سے یہ ہے کہ فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ﴾ (البقرۃ:۲۲۲)

''بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے بھی محبت کرتا ہے اور پاک لوگوں سے بھی محبت کرتا ہے۔''

اب طہارت کا تعلق ظاہری جسم سے ہے اور توبہ کا تعلق انسان کے من کی پاکیزگی سے ہے۔ تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ جو انسان ظاہر میں بھی پاکیزہ ہو جائے اور اس کا من بھی پاکیزہ ہو جائے تو وہ اللہ رب العزت کا پسندیدہ بندہ بن جاتا ہے۔

احکامِ شریعت انسان کے ظاہر و باطن کو پاک کرنے کے لیے ہیں:

دینِ اسلام کا مقصد بھی یہی اور شریعت کا مطمحِ نظر بھی یہی ہے۔ اس لیے اللہ

تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ﴾ (المآئدۃ:٦)

''اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر کوئی بوجھ نہیں رکھنا چاہتے، بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں پاک کریں اور اپنی نعمتیں تمہارے اوپر کامل کردیں۔''

تو جو شخص ظاہر و باطن میں پاک ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس پر بارش کی طرح برستی ہیں۔ آپ کے پاس کوئی بندہ ایک پیالہ لائے جو میلا ہو اور گندہ ہو اور کہے جی کہ اس میں تھوڑا سا دودھ ڈال دیں تو آپ کہیں گے کہ بھئی! پہلے اس کو پاک صاف کر کے تو لاؤ میں گندے پیالے میں دودھ کیسے ڈالوں؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی گندے دلوں میں اپنی رحمتیں اور برکتیں نہیں ڈالتے، اپنی معرفت کو نہیں ڈالتے، ان کا بھی مطالبہ ہے کہ میرے بندو! تم اپنے دل کے برتن کو صاف کرو۔ اس لیے شریعت کے جتنے احکام ہیں وہ انسان کو ظاہر و باطن میں پاک کر دیتے ہیں۔ تو شریعت کے اوپر عمل کرنے والا انسان ظاہر میں بھی پاک، باطن میں بھی پاک اور ایسے بندے سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتے ہیں۔ تو اللہ کے حبیب ﷺ نے ان تین باتوں میں پورے دین کو سمیٹ کے رکھ دیا۔

نماز اللہ کے خزانوں کی چابی:

جب اللہ کے حبیب نے یہ بات فرمائی تو صحابہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ وہ یہ بات سن کر تڑپ گئے۔ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ نماز اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے، نماز مومن کی معراج ہے، بلکہ یوں سمجھیے جیسے مختلف تالوں کو کھولنے کے لیے چابی ہوتی ہے تو نماز اللہ تعالیٰ کے خزانوں کے دروازے کھولنے کی چابی ہے۔

آجکل ہم نے دیکھا کہ لوگوں نے Debit card (ڈیبٹ کارڈ) بنوائے ہوتے ہیں۔ان کے اکاؤنٹ میں پیسے ہوتے ہیں، جہاں کہیں شاپنگ کرتے ہیں تو کارڈ دے دیتے ہیں اور سائن کر دیتے ہیں اور اس کارڈ سے ان کو وہ پیسے آجاتے ہیں۔تو یوں سمجھیے کہ نماز اللہ رب العزت کے خزانے سے پیسے نکلوانے کے لیے ایک کارڈ کے مانند ہے۔جس بندے کو نماز پڑھنی آگئی، وہ جب چاہے دو رکعت نفل پڑھے، اللہ سے مانگے۔صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کو دیکھو! بارش نہیں ہوتی تھی، دو رکعت نفل پڑھتے، اللہ بارش برسا دیتے تھے۔اور کوئی ضرورت پیش آتی تھی، دو رکعت پڑھتے، اللہ تعالیٰ ضرورت پوری کر دیتے تھے۔

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے جانے سے پہلے اپنی امت کو یہ نعمت دے گئے۔اس کی مثال یوں سمجھیں کہ آپ نے اگر حج پہ جانا ہو تو آپ سارے کمرے بند کر کے ان کی چابیاں ساتھ لے کر نہیں جاتیں، بلکہ جو لوگ پیچھے رہ رہے ہوتے ہیں، سارے چھوٹے، بڑے، والدین، یا پیچھے جو گھر کا ذمہ دار ہو، اس کو سمجھاتی ہیں کہ دیکھو! یہ ہو تو یہ کر لینا، یہ ہو تو یہ کر لینا، میں ایک مہینہ کے لیے جا رہی ہوں اور یہ کنجیاں اپنے پاس رکھ لو، جب تمہیں ضرورت ہو تو اس الماری سے پیسے نکال لینا۔جب آپ کو تسلی ہو جاتی ہے کہ پیچھے ان کی ضرورتیں پوری ہو جائیں گی تو پھر آپ گھر سے باہر قدم رکھتی ہیں۔

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب دنیا سے تشریف لے جانا تھا تو آپ امت کو بے سہارا چھوڑ کے نہیں گئے۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ ملک الموت آئے، عرض کیا کہ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو یاد فرمایا ہے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کہ ملک الموت! مجھے یہ پہلے پوچھ کے بتا کہ میرے بعد میری امت کا کیا بنے گا؟

رب کریم نے فرمایا: اے میرے حبیب! ہم آپ کے بعد آپ کی امت کو تنہا نہیں چھوڑیں گے، جب نبی علیہ السلام کو تسلی ہوگئی تو پھر آپ نے لبیک کہہ کر اللہ کے پاس جانے کے لیے تیاری فرمائی۔ (احیاء علوم الدین:۹/۳۸۶۔المعجم الکبیر للطبرانی: ۳/۵۸،رقم ۲۶۷۷)

تو نبی علیہ السلام نے تسلی کی کہ اگر میرے بعد میری امت کو کوئی بھی ضرورت پیش آئے تو انہیں اللہ سے لینے کا طریقہ آتا ہو۔ اللہ سے لینے کے طریقے کا نام نماز ہے۔ اس لیے جو انسان اپنی نماز کو ذرا بنائے اور یقین کے ساتھ پڑھنا سیکھے، وہ دامن اٹھائے گا اللہ رب العزت اس کو بھر دیں گے، وہ جو چاہے مانگے اللہ عطا فرما دیں گے۔ اس لیے یہ نماز ''اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی کنجی'' کہلاتی ہے۔ بھئی! خوش نصیب ہے وہ مرد یا عورت جس کو نماز پڑھنے کا سلیقہ آ جائے، جس کی نماز اللہ کے ہاں قبول ہو جائے وہ تو دنیا اور آخرت کے سب خزانوں کے دروازے کھلنے کی اہلیت پا گیا۔

نماز، محبوب کا تحفہ:

اسی لیے یہ نماز اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمانوں پہ بلا کر تحفے کے طور پر عطا فرمائی۔ اب دیکھیں کہ گفٹ تو وہ چیز کی جاتی ہے جو بہت قیمتی ہو۔ تو یوں سمجھیے کہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پہ بلایا اور پھر زمین و آسمانوں کی کنجی نماز کو گفٹ کیا۔ اے میرے حبیب! اس نماز کو پڑھیے! امت کو سکھائیے! جب ضرورت ہو اس کنجی کو استعمال کر کے میرے خزانوں سے فائدے اٹھا لیجیے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ والوں کے ہاتھ اللہ کی جیب میں ہوتے ہیں کہ جب ان کو ضرورت ہوتی ہے وہ دو رکعت نفل پڑھتے ہیں، اللہ سے مانگتے ہیں، اللہ ان کی دعاؤں کو پورا فرما دیتے ہیں۔ تو یہ نماز ایک عجیب نعمت ہے۔

نبی علیہ السلام نے تین باتوں میں پوری داستان کو سمیٹ کے رکھ دیا کہ مجھے خوشبو پسند ہے، بیوی پسند ہے اور نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی تین محبوب چیزیں

جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ فرمایا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے، وہ تڑپ گئے اور کھڑے ہو کر کہنے لگے: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بھی تین چیزیں بہت پسند ہیں۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نبی علیہ السلام کی بات پر کتنی جلدی Respond (توجہ) کرتے تھے۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بھی اس دنیا میں تین چیزیں بہت اچھی لگتی ہیں۔

پہلی چیز...... نبی علیہ السلام کے چہرۂ انور کو دیکھنا

دوسری چیز...... نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر اپنا مال خرچ کرنا

اور تیسری چیز...... کہ میری بیٹی آپ کے نکاح میں ہے

(۱)...... نبی علیہ السلام کے چہرۂ انور کو دیکھنا:

ان میں سے ایک آپ کے چہرۂ انور کو دیکھنا۔ سبحان اللہ! ایک عاشق صادق کی یہی پہچان اور شان ہوتی ہے کہ وہ محبوب کے چہرے کو تکتا ہی رہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم تو نبی علیہ السلام کے عشاق تھے، کائنات میں عشاق کی ایسی جماعت کبھی پیدا ہوئی، نہ پیدا ہو گی۔ کہنے والے نے کہا: ؎

ویکھیا جے یوسف نوں انگلیاں کٹیاں
آقا دے دیوانیاں نے جاناں وار سٹیاں

عشق دی اخیر ویکھی اوہدے عاشقین دی
جگ دے حسیناں کولوں ودھ کے حسین دی

نبی کے حسن و جمال پہ یہ ایسے عاشق تھے کہ بس ان کی زندگی کا سب سے بڑا کام محبوب کے چہرۂ انور کا دیدار کرنا تھا۔

وہ چہرۂ انور جس کو اللہ رب العزت نے قرآن میں **والضُّحٰی** فرمایا۔
وہ زلف جنہیں اللہ رب العزت نے **وَاللَّیل** فرمایا۔
جس چہرۂ انور کو خود اللہ رب العزت بڑی محبت کے ساتھ دیکھا کرتے تھے۔
اس چہرۂ انور کو دیکھنا صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے سب سے بڑی نعمت ہوا کرتی تھی۔

ایک صحابی کا شوقِ زیارت:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک صحابی آتے تھے، ذرا بوڑھے سے تھے، خاموش بیٹھے رہتے تھے اور اٹھ کر چلے جاتے تھے۔ بہت مرتبہ جب ایسے ہوا تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ آتے بھی ہو، خاموشی سے بیٹھتے ہو، پھر چلے بھی جاتے ہو۔ عرض کیا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! میں گھر پہ ہوتا ہوں تو آپ کی محبت جوش مارتی ہے، آپ کو دیکھے بغیر مجھے چین نہیں آتا۔ میں اپنے گھر سے چل کر یہاں آجاتا ہوں اور صرف آپ کے چہرۂ انور کا دیدار کرتا رہتا ہوں، پھر اس کے بعد گھر چلا جاتا ہوں۔
(الشفاء بتعریف حقوق المصطفی: ۲/۲۰)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''جس نے ایک مرتبہ محبت کی نظر سے میرے چہرے کو دیکھا، اللہ رب العزت اس کے اوپر جہنم کی آگ کو حرام فرما دیتے ہیں۔'' (کنز العمال: ۱۱/۵۳۱)

وہ چہرۂ انور جس کو صحابہ محبت سے دیکھتے تھے، شاعر نے کہا:

اے چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری
ہر چند و سود می کنم در حسن زاں بالا تری
آفاقہا گردیدہ ام مہرِ بتاں درزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چیزے دیگری

''اے اتنے خوبصورت چہرے والے کہ جس پر بتانِ آذری بھی رشک کھاتے ہوں، میں نے جتنی تحقیق کی آپ کا حسن سب سے بڑھ کر پایا۔ میں کئی جہانوں میں پھرا اور کتنے ہی حسینوں کو دیکھا، سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے لیکن تیرا حسن کچھ اور ہی چیز ہے''

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی بے مثال سعادت:

اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ تو عاشقِ صادق تھے۔ عشق کے میدان میں وہ سب صحابہ سے بازی لے گئے تھے۔ اس لیے ان کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ نبی علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کے سفر کے لیے گئے تو غارِ ثور میں پہنچ کر انہوں نے کہا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تھوڑی دیر باہر انتظار کر لیجیے! میں پہلے غار میں جاتا ہوں، صفائی کر لیتا ہوں، ممکن ہے کوئی جاندار، کوئی کیڑا مکوڑا ہو جو آپ کو تکلیف پہنچائے۔ چنانچہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے، اندر انہوں نے موٹی موٹی صفائی کر دی۔ کچھ سوراخ تھے، ان سوراخوں کو بند کر دیا۔ ایک بچ گیا تھا، انہوں نے سوچا کہ اس کو تو میں اپنے پاؤں سے بھی بند کر لوں گا۔ پھر عرض کیا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اندر تشریف لائیے۔ نبی علیہ السلام چونکہ ساری رات جاگتے رہے تھے، تھکاوٹ تھی، آپ آرام فرمانا چاہتے تھے۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی گود پیش کی کہ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! تکیے کے طور پر یہ قبول فرما لیجیے! محبوبِ کائنات نے اپنا سر مبارک ان کی

گود میں رکھا اور لیٹ گئے۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ وہ خوش نصیب ہیں کہ غار کی تنہائی ہے اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار میں لگے ہوئے ہیں۔ آج دنیا چاہتی ہے کہ ہمیں اپنے محبوب کے ساتھ تنہائی کا وقت ملے، ہم ہی ہم ہوں، تیری محفل میں کوئی اور نہ ہو۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قسمت دیکھیے کہ اللہ رب العزت نے ان کو یہ موقع عطا کیا کہ غار کی تنہائی ہے اور اس میں محبوب کا چہرۂ انور سامنے ہے اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔

اسی دوران سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے پاؤں کو کسی سانپ نے ڈسا اور اس کی وجہ سے تکلیف ہوئی، اس تکلیف کی وجہ سے طبعًا آنکھوں سے آنسو ٹپکے، ایک آنسو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرۂ انور پر بھی آ گرا۔ نبی علیہ السلام بیدار ہوئے، فرمایا: ابوبکر! کیوں روتے ہو؟ تمہاری گود میں میرا سر ہے۔ کائنات کے سردار کا سر مبارک ہے، اتنی بڑی نعمت تمہیں ملی ہے، تم کیوں روتے ہو؟ تو صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اس طرح تکلیف ہوئی اور آنسو نکل آیا (کتاب الرقۃ لابن قدامہ المقدسی)

اس آنسو کے نکلنے پر شاعر نے عجیب بات کہی، کہتے ہیں: ؎

آنسو گرا ہے روئے رسالت ماب پر
قربان ہونے آئی ہے شبنم گلاب پر

کہ جس طرح گلاب کے پھول پر صبح کے وقت شبنم کا قطرہ ہوتا ہے، اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا چہرہ گلاب کے مانند تھا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا آنسو شبنم بن کر گرا۔ سبحان اللہ!

آج تو جو عشاق ہوتے ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم بیٹھ کر اپنے محبوب کا چہرہ

دیکھتے رہیں۔ یہ لوگ کتاب بھی اگر کھول کر بیٹھتے ہیں تو انہیں محبوب کا چہرہ نظر آتا ہے۔شاعر نے کہا:؂

کتاب کھول کے بیٹھوں تو آنکھ روتی ہے
ورق ورق تیرا چہرہ دکھائی دیتا ہے

مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قسمت کو دیکھیے! ان کے سامنے کتاب نہیں، ان کے سامنے تو محبوب کا حقیقی چہرہ موجود تھا اور وہ بیٹھے اس کو دیکھ رہے تھے۔

قاری اور قرآن:

حضرت امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب بات کہی، فرماتے ہیں کہ اللہ کے حبیب کا چہرۂ انور تو قرآن کے مانند تھا اور اے ابوبکر! تو مجھے ایک قاری نظر آتا ہے اور تیری گود مجھے اس رحل کے مانند نظر آتی ہے جس میں قرآن رکھا ہے۔ ابوبکر تو ایک قاری ہے جو بیٹھا اس قرآن کی تلاوت کر رہا ہے۔سبحان اللہ!

عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کا رشک:

یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زندگی کے وہ لمحات تھے کہ جن کے بارے میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی رشک کرتے تھے۔ وہ فرماتے تھے: ابوبکر! عمر کی ساری زندگی کی نیکیوں کو لے لو غار ثور کی تین راتوں کی نیکیاں مجھے دے دو، مگر اللہ رب العزت نے یہ سعادت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی قسمت میں لکھی تھی۔ آقا کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سب سے پسندیدہ کام تھا۔سبحان اللہ!

(۲)...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنا مال خرچ کرنا:

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے دوسری بات ارشاد فرمائی: آپ پر اپنے مال کو خرچ کرنا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے حکم پر کتنا مال خرچ کر دیتے تھے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیٹھے رو رہے ہیں۔ پوچھنے والے نے پوچھا: ابوبکر! کیوں روتے ہو؟ کہنے لگے: اس لیے کہ میرے پاس کچھ مال ہے، میں وہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، مگر دینے والا ہاتھ اوپر کہا جاتا ہے، لینے والا ہاتھ نیچے سمجھا جاتا ہے۔ تو میں مال دے کر نبی علیہ السلام کی بے ادبی نہیں کرنا چاہتا، میں اللہ سے دعائیں مانگ رہا ہوں، اے اللہ! میرے آقا کے دل میں ڈال دیجیے! وہ ابوبکر کے مال کو اپنا مال سمجھ کے خود ہی خرچ فرمالیں۔ نہ انہیں لینا پڑے، نہ مجھے دینا پڑے۔ دعا قبول ہوگئی (عشق نبوی کے ایمان افروز واقعات، ص ۴۹)۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مال کو اس طرح خرچ فرماتے تھے، جیسے ذاتی مال کو کوئی خرچ کرتا ہے۔ اس لیے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جب موقع ملتا تھا، اپنا مال اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیتے تھے۔

صدیق رضی اللہ عنہ کو خدا کا رسول بس:

ایک دفعہ نبی علیہ السلام نے خود فرمایا کہ تم اللہ کے راستے میں مال جمع کرو۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ آدھا مال لے کر آئے، آدھا گھر والوں کے لیے چھوڑ آئے۔ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے۔ نبی علیہ السلام نے پوچھا: ابوبکر! کیا لائے؟ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! جو کچھ گھر میں تھا سب لا کر آپ کے قدموں میں ڈال دیا۔ ابوبکر! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ عرض کیا: اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ان کے لیے اللہ اور ان کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ سبحان اللہ! ؎

پروانے کو شمع اور بلبل کو پھول بس
صدیق کو خدا کا رسول بس

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو اللہ رب العزت کا سلام:

یہ وہ وقت تھا جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا لباس بھی اس مال میں شامل کر دیا تھا اور خود ایک ٹاٹ کا بنا ہوا لباس پہن لیا۔ جب صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ مال اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے، سلام کیا، دیکھا کہ جبرائیل علیہ السلام نے بھی اسی طرح ٹاٹ کا لباس پہنا ہے جس طرح کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پہنا ہوا ہے۔ پوچھا: جبرائیل! یہ کیا معاملہ ہے؟ عرض کیا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آج ابوبکر کا یہ عمل اللہ کو اتنا پسند آیا کہ آسمان کے فرشتوں کو حکم ہوا ہے کہ تم بھی وہی لباس پہنو جو ابوبکر نے پہنا ہوا ہے۔ سبحان اللہ!

(تاریخ الخلفاء للسیوطی رحمۃ اللہ علیہ)

وہ عمل کرتے تھے، عرش والے پروردگار کو اتنا پسند آتے تھے۔ پھر اس کے بعد انہوں نے کہا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ رب العزت نے ابوبکر کی طرف سلام بھیجے ہیں۔ کیا مبارک قسمت ہے ان ہستیوں کی کہ دنیا میں جن کو رب کی طرف سے سلام آیا کرتے تھے! وہ اتنا مال اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لاکر نچھاور کر دیتے تھے۔ اس لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ میں نے دنیا میں سب کے احسانات کا بدلہ دے دیا، ابوبکر! تیرے احسانات کا بدلہ قیامت کے دن اللہ دے گا۔ سبحان اللہ!

(۳) بیٹی کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نکاح میں ہونا:

اور تیسرا فرمایا کہ میری بیٹی آپ کے نکاح میں ہے۔ یہ چیز بھی مجھے بہت پسند ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نوعمری ہی میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہو گیا تھا۔ گویا ان کی ساری زندگی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں گزری، ان کی تعلیم و تربیت خانۂ نبوت میں

ہوئی۔حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اس بات کو اپنی بہت بڑی سعادت سمجھتے تھے۔

توجہات کا مرکز نبی علیہ السلام کی ذات:

اب صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی محبوب چیزوں کو دیکھیں کہ

مال پیش کر دینا۔

اولاد کو بھی پیش کر دینا۔

اور اپنا پورا وقت محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کے دیدار میں لگا دینا۔

یوں لگتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ بابرکات ان کی توجہات کا مرکز ومحور تھی، سبحان اللہ! یہی عاشق صادق کی پہچان ہوا کرتی ہے۔تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس میں سب سے آگے نکل گئے، سب سے بازی لے گئے۔

عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کی تین محبوب چیزیں

اب جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی یہ تین محبوب چیزیں بتائیں تو یہ سننے کی دیر تھی کہ عمر رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا۔وہ بھی کھڑے ہو گئے۔ کہنے لگے: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بھی اس دنیا میں تین چیزیں بہت محبوب ہیں۔ پوچھا: کون کون سی؟ فرمایا:

پہلی چیز......امر بالمعروف کرنا

دوسری چیز......نہی عن المنکر کرنا

تیسری چیز......سادہ لباس پہننا

(۱) امر بالمعروف کرنا:

حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی پہلی محبوب چیز فرمائی: امر بالمعروف کرنا، یعنی

نیکی کا حکم کرنا۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خاص عادت تھی وہ ہر کسی کو نیکی پر کھڑا کر دیتے تھے، Push up کرتے (ابھارتے) رہتے تھے۔ سستی نہیں آنے دیتے تھے، دین میں کسی کو پیچھے ہٹنے نہیں دیتے تھے۔ ان کا درہ مشہور ہے کہ خود بھی اللہ کے دین پر جمے رہتے تھے اور دوسروں کو بھی جمنے کی تلقین کرتے تھے۔

ان کے ایک ایک حکم پر کیسے عمل ہوتا تھا اس کی مثال سن لیجیے! جب مسلمانوں کی فتوحات خوب بڑھ گئیں تو کچھ دیر ایسی بھی گزرتی تھی کہ جب مجاہدین کو کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امیر لشکر کے نام ایک خط لکھا اور کہا: قرآن مجید کے بہت سارے حفاظ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے۔ اب حفاظ کم نظر آتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی ایسا وقت ہو کہ یہ فوجی لوگ اپنی چھاؤنیوں میں ٹھہرے ہوئے ہوں اور کوئی ایسا خاص کام بھی نہ ہو تو ان کو کہو کہ یہ قرآن مجید کو یاد کیا کریں۔ عمر رضی اللہ عنہ کے ایک فرمان پر ہزاروں صحابہ نے قرآن مجید کو یاد کر لیا۔ ان کی ایک بات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کو اس طرح متوجہ کر رکھا تھا کہ وہ قرآن مجید کے حافظ بن جاتے تھے۔

(۲) نہی عن المنکر کرنا:

عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے دوسری بات فرمائی: نہی عن المنکر کرنا، برائی سے روکنا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود بھی رکتے تھے دوسروں کو بھی روکا کرتے تھے۔

ان کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ان کے بیت المال میں خوشبو آئی جو لوگوں میں تقسیم کرنی تھی۔ ان کی بیوی صاحبہ نے کہا کہ میں اس خوشبو کو تقسیم کر دیتی ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ نہیں کوئی اور تقسیم کرے۔ بیوی نے کہا کہ کیا مجھ پر اعتماد نہیں کہ میں ٹھیک تقسیم کروں گی؟ فرمایا نہیں: ایسی بات نہیں، البتہ یہ ہے کہ جب تم تقسیم کرنے لگو گی تو اس وقت تمہارے ہاتھوں پر جو خوشبو لگے گی تو وہ حصہ تو تمہارے پاس

آ جائے گا، میں بیت المال سے اتنا بھی فائدہ نہیں لینا چاہتا۔ سبحان اللہ۔ یہ ان کا تقویٰ تھا، خدا خوفی تھی۔ (الزھد لاحمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ: ص۴۹)

ایک دفعہ علی رضی اللہ عنہ ان ملنے کے لیے آئے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے امورِ خلافت کا کام کر رہے تھے۔ دروازہ کھٹکھٹایا گیا، عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھولا، وہ آئے اور بیٹھ گئے۔ پوچھا: بھائی علی! کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے کہا: میں آپ سے کوئی ذاتی مشورہ کرنے آیا ہوں۔ دوبارہ پوچھا: امورِ خلافت کا کام ہے یا ذاتی بات ہے؟ انہوں نے کہا: ذاتی (پرسنل) بات ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پھونک مار کر چراغ بجھا دیا، اندھیرا ہو گیا۔ علی رضی اللہ عنہ حیران ہوئے کہ اے عمر! مہمان کے آنے پر چراغ جلایا کرتے ہیں، چراغ بجھایا تو نہیں کرتے۔ یہ سن کر انہوں نے جواب دیا: بھائی علی! آپ نے بالکل سچ کہا، لیکن مجھے اور آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم ذاتی باتیں کریں اور بیت المال کے پیسے کا تیل جلتا رہے۔ سبحان اللہ! جو اتنے امین تھے، بیت المال کے ایک ایک پیسے کا اتنا خیال کیا کرتے تھے تو وہ اپنے آپ کو بھی گناہوں سے روکتے تھے، دوسروں کو بھی گناہوں سے روکتے تھے۔

(حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پسندیدہ واقعات: ص۱۰۴)

(۳) سادہ لباس پہننا:

اور تیسری بات انہوں نے فرمائی: سادے کپڑے پہننا۔ عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ نے اتنی فتوحات دی تھیں کہ اگر وہ چاہتے تو بیت المال سے اپنا بہت سارا روزینہ متعین کر سکتے تھے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، معمولی رقم لیتے تھے جس میں مشکل سے گزارا ہوتا تھا، حتیٰ کہ وہ لباس پہنتے تھے تو بہت سادہ لباس ہوتا تھا۔

ان کے لباس کی حالت سن لیجیے کہ جب مسلمانوں نے بیت المقدس کو فتح

کرنے کا ارادہ کیا، تو محاصرہ کرلیا۔ جو یہودی اس وقت وہاں تھے انہوں نے کہا کہ ہمارے علما تمہارے سپہ سالار سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ سپہ سالار نے پوچھا: کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ دیکھو! ہم اہلِ کتاب ہیں، ہماری کتابوں میں اس پیغمبر آخر الزماں کا پورا حلیہ مبارک موجود ہے اور ان کے صحابہ کی بھی نشانیاں موجود ہیں اور یہ بھی بتایا گیا کہ بیت المقدس کون فتح کرے گا؟ تم اپنے امیر المومنین کو بلاؤ! ہم اگر ان کے اندر یہ نشانیاں پائیں گے تو ہم بغیر لڑے چابیاں ان کے حوالے کر دیں گے۔ اور اگر نہیں پائیں گے تو تم ایڑی چوٹی کا زور لگا لینا، بیت المقدس کو فتح نہیں کرسکو گے۔ امیر الشکر نے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ آپ تشریف لائیے۔

عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس کے لیے روانہ ہوئے۔ جب چلے تو سادہ کپڑے تھے، چمڑے کا پیوند بھی لگا ہوا تھا۔ سبحان اللہ! اپنے غلام کو ساتھ لیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض نے کہا کہ آپ اسلام کے نمائندہ بن کر جارہے ہیں اور آگے کفار کے بڑے بڑے لوگ ہوں گے۔ تو بہتر ہے آپ اچھا لباس پہن لیں اور اونٹ کے بجائے گھوڑے کی سواری کرلیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے کہنے پر ایسا کر تو لیا، لیکن جب چند قدم اٹھائے تو رک گئے۔ فرمانے لگے: میں اپنے دل کی کیفیت میں تغیر محسوس کر رہا ہوں۔ وہی کپڑے بدل کر پرانا لباس پہن لیا اور اونٹ کے اوپر سواری کر لی، غلام کو ساتھ لے لیا۔ راستے میں غلام کے ساتھ یہ طے پایا کہ ایک منزل میں سواری کروں گا، تم پیدل چلنا، اگلی منزل میں پیدل چلوں گا تم سواری کر لینا۔ سبحان اللہ! یہ اس زمانے کے مالک اور غلام کا تعلق ہوتا تھا۔ ان کے دلوں میں انسانوں کی اتنی ہمدردی ہوا کرتی تھی کہ ہر چیز کو شیئر کیا کرتے تھے۔ سبحان اللہ!

وہ باری باری سواری پر بیٹھتے رہے۔ اللہ کی شان جب آخری منزل آئی تو غلام

کے سوار ہونے کا وقت تھا، عمر کے پیدل چلنے کا وقت تھا۔ غلام نے عرض کیا: میں اپنی باری آپ کو دیتا ہوں، آپ سواری پر بیٹھ جائیے، چونکہ سامنے لوگ موجود ہوں گے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ چنانچہ اس حال میں وہاں پہنچے کہ امیر المومنین تو نکیل پکڑے چل رہے ہیں اور ان کا غلام اونٹ کے اوپر سوار ہے اور امیر المومنین کے جسم پر جو کپڑے ہیں ان میں کئی پیوند ہیں جن میں ایک پیوند چمڑے کا بھی لگا ہوا ہے۔ جب انہوں نے اپنی کتابیں نکال کر دیکھیں تو تورات اور انجیل کے اندر یہی نشانیاں تھیں کہ نبی علیہ السلام کے جو خلیفہ بنیں گے وہ جب بیت المقدس کو فتح کریں گے تو وہ اس حلیے میں آئیں گے۔ ان کو دیکھ کر یہودی علما نے کنجیاں خود بخود ان کے حوالے کر دیں اور بیت المقدس فتح کرنے کی سعادت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حصے میں آ گئی۔ (فتوح الشام)

عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی تین محبوب چیزیں

جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی تین محبوب چیزیں بیان فرمائیں تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی تڑپ گئے۔ کہنے لگے: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بھی تین چیزیں بہت پسند ہیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے پوچھا کون سی چیزیں؟ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم!

پہلی چیز...... بھوکوں کو کھانا کھلانا۔

دوسری چیز...... ننگوں کو کپڑا پہنانا۔

اور تیسری چیز فرمائی...... قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔

(۱) بھوکوں کو کھانا کھلانا:

انسان کو اگر اللہ تعالیٰ مال عطا کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ غریبوں میں بھی تقسیم کرے اور محتاجوں کو بھی دے، ضرورت مندوں کی بھی مدد کرے۔ چنانچہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا محبوب مشغلہ یہ تھا کہ وہ بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے۔

مشہور حدیث مبارکہ ہے کہ عید کا دن تھا، اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے تیار ہو کر عید کی نماز پڑھنے کے لیے جانے لگے تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آج عید کا دن ہے ہمیں کچھ پیسے دے دیجیے، ہم چیزیں منگائیں اور کچھ کھانا پکائیں۔ آج مکہ کی بیوائیں اور یتیم آئیں گے، ہم خود بھی کھائیں گے، ان کو بھی کھلائیں گے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: عائشہ! اس وقت تو میرے پاس کچھ بھی نہیں جو میں تمہیں دے سکوں۔ وہ خاموش ہو گئیں۔ نبی علیہ السلام عید کی نماز پڑھانے کے لیے تشریف لے گئے، جب عید کی نماز پڑھ کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ گھر کے اندر کھانا بھی پکا ہوا ہے اور مدینہ کے یتیم اور بیوائیں بھی آ کر کھا رہی ہیں۔ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حیران ہو کر پوچھا: عائشہ! یہ کھانا کیسے بنایا؟ عرض کیا: اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لے گئے تو تھوڑی دیر کے بعد عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے آپ کی ہر زوجہ کے حصے میں ایک اونٹ سامان سے لدا ہوا بھیجا۔ یہ بیٹے کی طرف سے اپنی ماؤں کو ہدیہ تھا۔ ہم نے اس اونٹ کے سامان میں سے چیزیں لیں، خود بھی کھا رہے ہیں، ان یتیموں بیواؤں کو بھی کھلا رہے ہیں۔ یہ سن کر نبی علیہ السلام کا دل بہت خوش ہوا اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی:

يَا رَحْمٰنُ! سَهِّلِ الْحِسَابَ عَلٰى عُثْمَانَ

''اے رحمٰن! قیامت کے دن عثمان کے اوپر حساب کو آسان کر دینا''

سبحان اللہ! یہ وہ حضرات تھے جن کو محبوب کی دعائیں ملتی تھیں۔
تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ایک خاص پسندیدہ بات یہ تھی کہ آپ بھوکوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔

(۲) ننگوں کو کپڑا پہنانا:

دوسری بات فرمائی: ننگوں کو کپڑے پہنانا۔ یعنی اگر کسی کے کپڑے پھٹے ہوں تو اس کو کپڑا ہدیہ کر دینا۔ یا کسی کے پاس کپڑے بنوانے کی استطاعت نہ ہو، اس کو کپڑے منگا کر دینا۔ آج کی مسلمان عورتیں اپنے کپڑوں کو اللہ کے راستے میں غریبوں کو صدقہ ہی نہیں کرتیں۔ اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں کہ کسی مسلمان کے جسم کی ستر پوشی کریں گے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہماری ستر پوشی کریں گے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک جنگ میں فتح حاصل ہونے کے بعد بہت سے کفار کو گرفتار کیا گیا پھر ان کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پیش کیا گیا۔ ایک عورت ایسی تھی کہ اس کا بیٹا گم ہو گیا تھا، وہ تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ چنانچہ بچے کے پیچھے اتنی وہ دیوانی بن گئی تھی کہ ننگے سر اچانک نبی علیہ السلام کے سامنے آ گئی۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے دور سے دیکھا، اپنے صحابی کو بلایا اور فرمایا: یہ میری چادر لے کر جاؤ اور اس لڑکی کا سر ڈھانپ دو۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو کافرہ لڑکی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اگرچہ کافرہ ہے مگر کسی کی تو بیٹی ہے۔ تو اس کا سر چھپائے گا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے قیامت کے دن تمہارے گناہوں پر رحمت کی چادر ڈال دیں گے۔ تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوگوں کے جسم کی ستر پوشی فرماتے تھے۔ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یہ بات بہت پسند تھی۔

(۳) قرآن مجید کی تلاوت کرنا:

اور تیسری بات فرمائی کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔ سبحان اللہ! عثمان غنی رضی اللہ عنہ جامع القران تھے اور ناشر القرآن تھے۔ انہوں نے قرآن مجید کو پوری دنیا کے اندر بھجوا کر تقسیم کر دیا۔ اللہ رب العزت نے ان سے کام لیا۔ چنانچہ وہ قرآن مجید کی بہت تلاوت کرتے تھے۔ حتیٰ کہ عین شہادت کے وقت بھی وہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے، بلکہ ان کے خون کا چھینٹا قرآن مجید کے اوپر آ کر گرا۔ اور جس لفظ پر گرا وہ لفظ تھا فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهِ کہ ان کے لیے اللہ کافی ہے۔ سبحان اللہ!

ہر انسان جو دنیا میں شہید ہوتا ہے کسی کی گواہی پتھر دے گا، کسی کی گواہی مٹی دے گی، کسی کی گواہی کوئی اور چیز دے گی، عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سعادت دیکھیے، قیامت کے دن اللہ کا قرآن ان کی شہادت کی گواہی دے گا۔ یہ درجہ تھا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قول مشہور ہے، فرماتے تھے کہ اگر دلوں کے اوپر ظلمت نہ ہوتی تو قرآن مجید پڑھنے سے انسان کا دل کبھی بھر ہی نہیں سکتا تھا۔ واقعی! بات ٹھیک ہے۔ آج ہمارے دلوں میں ظلمت ہوتی ہے، قرآن پڑھنے کو دل نہیں چاہتا۔ پڑھنے لگتے ہیں، ایک صفحہ پڑھ کر تھک جاتے ہیں۔ کتنے لوگ ہیں جو روزانہ ایک پارہ پڑھتے ہوں؟ بہت کم ہوں گے۔ تین تین گھنٹے بیٹھ کر مووی فلم دیکھنا لوگوں کے لیے آسان ہوتا ہے، قرآن مجید کو پندرہ منٹ بھی پڑھنا مشکل ہوتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ کیا ہے؟ دلوں کے اندر ظلمت ہے۔ اگر یہ دل دھل جاتے تو قرآن مجید کے پڑھنے سے دل کبھی نہ بھرتے۔

حضرۃ علی رضی اللہ عنہ کی تین محبوب چیزیں

جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی تو علی رضی اللہ عنہ کہاں پیچھے رہنے والے تھے۔ انہوں نے بھی کھڑے ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! مجھے بھی تین چیزیں بہت اچھی لگتی ہیں۔ پوچھا: آپ کو کونسی تین چیزیں اچھی لگتی ہیں؟ فرمایا:

پہلی چیز...... مہمان نوازی کرنا۔

دوسری چیز...... گرمی کے روزے رکھنا۔

اور تیسری چیز...... اللہ کے راستے میں جہاد کرنا

(۱) مہمان نوازی کرنا:

ان میں سے پہلی بات مہمان نوازی کرنا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کتنے مہمان نواز تھے حیرانی ہوتی ہے۔ سائل کو منع نہیں کرتے تھے، مہمان کا اکرام کیا کرتے تھے، حدیث پاک میں آتا ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ﴾

(بخاری، رقم: ۶۱۳۵)

''جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور قیامت کے دن کے آنے پر یقین رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ مہمان کی مہمان نوازی کرے۔''

اللہ رب العزت نے اس میں بڑی برکت عطا کی ہے، لہٰذا مہمان نوازی کرنا علی رضی اللہ عنہ کا محبوب کام تھا۔

اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ سیرت کی کتب میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ ایک مرتبہ آپ کے ہاں مہمان آیا جو یہودی تھا۔ آپ نے اسے ٹھہرا لیا، رات کو

جب کھانے کا وقت آیا تو آپ نے اس کے سامنے بہت سارا کھانا لا کر رکھا کہ جتنی بھوک ہو گی یہ کھا لے گا۔ اس اللہ کے بندے نے اتنا کھایا، اتنا کھایا کہ خوب (Over Eating) کر بیٹھا، حتیٰ کہ جب رات ہوئی تو وہ سویا پیٹ خراب ہو گیا۔ اور صبح فجر کے وقت اس کے جسم سے نجاست خارج ہوئی، یوں سمجھیے کہ اس نے پاخانہ کر دیا۔ کپڑے بھی خراب ہو گئے اور بستر بھی خراب ہو گیا تو وہ چپکے سے اٹھ کر بھاگ گیا کہ شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ باہر جا کر جہاں پانی تھا وہاں اس نے کپڑے دھوئے، بدن دھویا، صاف ستھرا ہوا۔ پھر اپنے گھر آنے لگا تو اس کو پتہ چلا کہ او ہو! میں تو فلاں چیز وہیں بستر پر بھول آیا ہوں۔ تو وہ واپس لینے کے لیے آیا۔ یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ اللہ کے حبیب ﷺ خود اپنے مبارک ہاتھوں سے وہ جو نجس بستر تھا اس کو دھو رہے تھے۔ وہ حیران رہ گیا کہ ان کے دل میں مہمان نوازی کی کیا قدر ہے!! تو اس عمل کو دیکھ کر وہ یہودی مسلمان ہو جاتا ہے۔ تو اللہ کے حبیب ﷺ جو کونین کے والی تھے، وہ اگر ایک مہمان کا پاخانہ بھی نکل جاتا ہے اور بستر آلودہ ہو جاتا ہے، ناپاک ہو جاتا ہے تو اپنی بیوی کو نہیں کہتے کہ اس کو دھو دو، بلکہ مہمان کی نجاست کو مبارک ہاتھوں سے خود دھوتے ہیں۔ محبوب ﷺ نے مثال قائم کر دی کہ لوگو! مہمان کا اتنا حق ہوا کرتا ہے۔

(۲) گرمی کے روزے رکھنا:

اور دوسری بات فرمائی کہ گرمی کے روزے رکھنا، یہ علی رضی اللہ عنہ کا ایک محبوب عمل تھا۔ گرمی کے موسم میں پیاس بھی زیادہ ہوتی ہے، بھوک بھی ہوتی ہے، اس لیے کہ دن لمبے ہوتے ہیں، مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان گرمی کے دنوں میں روزے رکھنے کا مزا آتا تھا۔ سبحان اللہ!

اوران کے روزوں کا تذکرہ تو قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔آپ نے قرآن مجید میں پڑھا ہوگا جس کی تفسیر یہ ہے کہ ایک مرتبہ حسنین کریمین سیدنا حسین اورسیدنا حسن رضی اللہ عنہما دونوں بیمار ہوگئے۔ شہزادوں کو بخار آ گیا، اترتا نہیں تھا۔سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اورسیدنا علی رضی اللہ عنہ نے منت مانگ لی کہ اگران بچوں کا بخارٹھیک ہو جائے گا تو ہم تین دن روزے رکھیں گے۔ اللہ نے بچوں کو شفا عطا فرمادی ،علی رضی اللہ عنہ نے اور فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے روزے رکھے۔ جب پہلا روزہ رکھا افطاری کے وقت کچھ تھوڑا سامان تھا جس سے افطاری کا ارادہ تھا تو انہوں نے دیکھا کہ اس وقت ایک دروازہ کھٹکھٹانے والے نے دروازہ کھٹکھٹایا، پوچھا کون ہے؟ کہنے لگا: میں مسکینِ مدینہ ہوں، بھوکا ہوں، اس دروازے پہ آیا ہوں کہ مجھے ضرور کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔ میاں بیوی دونوں ایک دوسرے سے مشورہ کرتے ہیں، ہم پانی سے روزہ افطار کرلیں گے، کھانا اس کو دے دیتے ہیں۔ چنانچہ کھانا اس کو دے دیا گیا۔سحری بھی پانی کے ساتھ کرلی گئی۔اب اگلے دن علی رضی اللہ عنہ نے کچھ محنت مزدوری کی تو افطاری کے لیے کچھ پیسے مل گئے۔ جب کھانا تیار کیا، عین افطاری کے وقت سے تھوڑا پہلے، ایک آدمی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ پوچھا: کون ہو؟ کہنے لگا: میں یتیمِ مدینہ ہوں، بھوکا ہوں، آیا ہوں کہ کچھ کھانے کومل جائے، میاں بیوی دونوں نے اپنا کھانا اس یتیم کو دے دیا۔ دوسرے دن بھی پانی سے افطار کرلیا۔ پھر اگلی سحری بھی پانی سے کی۔ جب تیسرا دن ہوگیا تو بھوک کی انتہا تھی کہ کچھ کھائے پیے بغیر تین دن گزر گئے تھے۔جب افطاری کے وقت کچھ تھوڑا بہت انتظام ہوا، پھرایک آدمی آیا، دروازہ کھٹکھٹا کر کہنے لگا: میں ایک قیدی ہوں، کھانے کے لیے آیا ہوں۔انہوں نے پھر اپنا کھانا ان کو دے دیا۔قرآن مجید نے ان کے اس واقعے کوقرآن کا حصہ بنادیا: (التفسیرُ المظھری:۷/۳۰۹)

﴿وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا﴾

ذرا غور کیجیے کہ علی رضی اللہ عنہ کی بھوک تو مٹ ہی گئی، لیکن ان کے واقعے کا تذکرہ آج بھی ہماری زبانوں پر ہے اور اللہ کے قرآن کا حصہ بھی بن گیا۔ کل جنت میں قرآن کی تلاوت ہوگی تو اس وقت بھی اس کو پڑھا جائے گا۔ کیسی عظیم ہستیاں تھیں!

(۳) اللہ کے راستے میں جہاد کرنا:

تیسری بات فرمائی کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا مجھے بہت محبوب ہے۔ اسی لیے نبی علیہ السلام نے ان کو اسد اللہ کا لقب دیا۔ اللہ کے شیر تھے اور واقعی! اللہ نے ان کو بہت طاقت، قوت اور جرأت عطا کی تھی۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ کو بھی تین چیزیں پسند تھیں جن کا انہوں نے اظہار فرما دیا۔

اب ذرا سوچیے! محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بات فرمائی اور آپ کے جواب میں چاروں یاروں نے بھی یہ بات فرمائی۔ تو باتیں تو فرش پہ ہو رہی تھیں مگر یہ باتیں عرش پہ بھی سنی جا رہی تھیں۔

ابھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بات مکمل کی ہی تھی کہ جبرائیل علیہ السلام آسمان سے نازل ہوئے۔ کہنے لگے: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں انسان ہوتا تو مجھے بھی تین چیزیں بہت پسند ہوتیں۔ میں بھی اپنی تین چیزیں بتانے کے لیے آیا ہوں۔ پوچھا: کون سی تین چیزیں؟ تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم!

پہلی چیز...... عبادت گزار غریبوں سے محبت کرنا۔

دوسری چیز...... کثیر العیال تنگدستوں سے محبت کرنا۔

اور تیسری چیز...... گمراہ کو راستہ دکھانا۔

(۱) عبادت گزار غریبوں سے محبت کرنا:

پہلی چیز فرمائی: عبادت گزار غریبوں سے محبت کرنا۔ امیروں سے محبت تو ہر کوئی کرتا ہے، غریبوں کی طرف التفات نہیں ہوتا، حالانکہ اللہ کی خاص نظر ان پر ہوتی ہے جو غریب ہوتے ہیں، نبی علیہ السلام نے فرمایا:

''قیامت کے دن میری امت کے غربا میری امت کے امیر لوگوں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل کیے جائیں گے۔''

چنانچہ جو غریب آدمی کے ساتھ محبت کرے تو یہ گویا ملائکہ کی صفت ہے۔

(۲) کثیر العیال تنگدستوں سے محبت کرنا:

پھر دوسری چیز فرمائی کہ کثیر العیال تنگدستوں سے محبت کرنا۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں کہ اولاد زیادہ ہوتی ہے، وسائل نہیں ہوتے، تنگی میں زندگی گزارتے ہیں، اللہ کو وہ بھی بڑے پیارے ہوتے ہیں۔ تو جبرائیل علیہ السلام کہتے ہیں کہ ان لوگوں سے محبت کرنا یہ مجھے بہت پسند ہے۔

اور ایسے لوگوں سے اللہ کو بھی محبت ہوتی ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پڑوسی تھا، جو لوہار تھا، حداد تھا۔ وہ سارا دن آگ کی بھٹی میں لوہے کو گرم کرتا اور ہتھوڑے سے کوٹتا تھا۔ چنانچہ رات کو وہ سونے لگتا تو وہ تھکا ہوا ہوتا تھا، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتا کہ وہ اس قدر رات کو عبادت کرتے ہیں تو کہا کرتا تھا: اگر میرے اتنے بچے نہ ہوتے، میری پیٹھ پہ اتنا بوجھ نہ ہوتا، تو میں بھی امام احمد کی طرح رات کو عبادت کیا کرتا۔ وہ پانچ نمازیں پڑھتا تھا، نفل نماز نہیں پڑھتا تھا۔ کہتے ہیں جب فوت ہوا کسی کو خواب میں نظر آیا۔ پوچھا کہ تمہارا کیا بنا؟ کہنے لگا کہ اس حسرت کی وجہ سے جو میرے دل میں تھی، اللہ نے مجھے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ

رتبے میں اکٹھا کر دیا۔ سبحان اللہ! انسان اپنی اولاد کے لیے جو پسینہ بہاتا ہے، اللہ رب العزت کو وہ بہت پسندیدہ ہوتا ہے۔

(۳) گمراہ کو راستہ دکھانا:

جبرائیل علیہ السلام نے تیسری بات ارشاد فرمائی: ''گمراہ کو راستہ دکھانا''۔ گمراہ کو راستہ دکھانے کے دو معنی ہیں: ایک تو یہ ہے کہ عام مسافر جو راستہ بھول جائے اور اس کو Direction (رہنمائی) کی ضرورت ہو تو اس کو اچھے انداز سے Direction دینی چاہیے، تاکہ وہ اِدھر اُدھر بھٹکتا نہ پھرے، ٹھوکریں نہ کھاتا پھرے، وقت نہ ضائع کرتا پھرے، بلکہ سیدھا آرام کے ساتھ وہ منزل پہ پہنچ جائے۔ اور دوسرا معنی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کا راستہ بھول جاتے ہیں اور فسق و فجور میں پڑ جاتے ہیں، گناہوں کی زندگی میں پڑ جاتے ہیں، ان کو سمجھانا بجھانا اور اللہ کے راستے کی طرف متوجہ کرنا اور سیدھے راستے پہ ڈال دینا، یہ اللہ کو بہت محبوب ہے۔

چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے بھی تین کام بتائے کہ اگر میں انسانوں میں ہوتا تو مجھے یہ تین چیزیں بہت پسند ہوتیں۔

اب ذرا غور کیجیے کہ بات تو ہوئی تھی نبی علیہ السلام کے درمیان اور آپ کے چاروں صحابہ کے درمیان، لیکن اس بات کو سن کر جبرائیل علیہ السلام نیچے اتر آتے ہیں اور وہ بھی اپنی پسندیدہ چیزیں بتاتے ہیں۔ جب جبرائیل علیہ السلام نے اپنی چیزیں بتا دیں تو اس کے بعد کہا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! اللہ رب العزت نے مجھے پیغام دے کر بھیجا ہے جاؤ میرے محبوب کی مجلس ہے، انہوں نے بھی اپنی پسندیدہ چیزیں بتائیں، ان کے یاروں

نے بھی پسندیدہ چیزیں بتائیں ہیں، جبرائیل تم بھی اپنی پسندیدہ چیزیں بتانا اور پھر میری بھی تین پسندیدہ چیزیں بتانا۔ سبحان اللہ! یہ کیا مقبول مجلسیں تھیں! اللہ رب العزت خود پیغام بھیج رہے ہیں کہ مجھے بھی تین چیزیں بہت پسند ہیں۔ باری تعالیٰ نے فرمایا:

پہلی چیز...... فاقے پر صبر کرنے والا بندہ

دوسری چیز...... نیکی میں سبقت کرنے والا بندہ۔

اور تیسری چیز...... گناہوں پر نادم ہونے والا بندہ۔

(۱) فاقے پر صبر کرنے والا:

اللہ رب العزت نے پہلی چیز یہ فرمائی کہ جو بندہ فاقے پر صبر کرتا ہے، یہ بندہ مجھے بہت پسند ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کے رزق کو کم لکھ دے اور وہ بندہ صبر کے ساتھ وقت گزارے، شکوے نہ کرے، شکایتیں نہ کرے، اللہ اس بندے سے بہت راضی ہوتے ہیں۔

اس لیے روایت میں آتا ہے کہ قیامت کا دن ہوگا، ایک غریب آدمی اللہ کے سامنے پیش کیا جائے گا، نیک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس طرح اس سے معذرت کریں گے کہ دنیا میں تمہیں تھوڑا رزق دیا، جیسے ایک دوست اپنے دوسرے دوست سے کسی بات پہ معذرت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ گویا اس طرح اس غریب بندے سے جو صبر کرنے والا ہوگا قیامت کے دن معذرت فرمائیں گے۔

(المغنی عن حمل الاسفار: ۲/ ۱۰۸۷۔ احیاء علوم الدین: ۵/۱۴۲)

تو یہ چیز اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے کہ انسان کو اگر فاقہ آجائے یا انسان کو تنگی آجائے تو وہ صبر کرے۔ اپنی طرف سے محنت اور کوشش کرے، محفلوں میں بیٹھ کر اللہ

کے شکوے نہ کرے کہ ہمارے تو مقدر میں لکھا ہی کچھ نہیں، ہمیں تو دیا ہی کچھ نہیں۔ یہ اللہ کی تقسیم پہ راضی رہے تو بہت خوش نصیب انسان ہے۔

اس لیے کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی:

''اے داؤد علیہ السلام اگر آپ کو کھانے میں سڑی ہوئی سبزی مل جائے تو سبزی کو نہ دیکھنا، بلکہ اس بات پہ غور کرنا کہ جب میں نے رزق کو تقسیم کیا تھا تو تو مجھے یاد تھا۔''

تو مومن کے لیے تو یہی بات بہت کافی ہے کہ اللہ! آپ نے زیادہ دیا یا تھوڑا دیا، یہ کتنی خوش نصیبی ہے کہ آپ نے ہم مسکینوں کو یاد تو رکھا، کچھ نہ کچھ تو ہمیں مل ہی گیا۔ تو محبوب کی طرف سے تھوڑی سی بھی چیز مل جائے، تھوڑی نہیں ہوا کرتی۔

It is not the thing which count it is thought

یہ تو وہ چیز ہے کہ رب کریم نے ہمیں یاد تو فرمایا۔ ہمارے لیے تو یہی بہت کافی ہے۔ چنانچہ انسان کو چاہیے کہ اپنے فاقہ کے اوپر صبر کر کے اللہ رب العزت کا قرب پائے بجائے اس کے کہ اپنے ثواب کو گنوا لے۔

(۲) نیکی میں سبقت کرنے والا

اللہ رب العزت کو جو تین چیزیں پسند ہیں ان میں سے دوسری چیز ہے: ''نیکی کرنے میں ہمت کرنا''۔ نیکی میں آگے بڑھنے کی کوشش کرنا، اللہ سے محبت کا اظہار کرنا، دوڑ دوڑ کے نیکی کرنا، بھاگ بھاگ کر نیکی کرنا۔ تھک تھک کے نیکی کرنا اور نیکی کر کر کے تھک جانا، یہ اللہ کو بہت پسند ہے۔

اللہ کے تین پسندیدہ بندے:

چنانچہ حدیثِ پاک میں ہے: اللہ رب العزت کو تین بندے بہت پسند ہیں اور

ان تین بندوں کو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے دکھاتے ہیں، فخر فرماتے ہیں کہ دیکھو! میرے اس بندے کو کہ یہ اس حال میں بھی میری عبادت کر رہا ہے۔

پہلا بندہ کہ کچھ لوگ تھے سفر میں جا رہے تھے، بہت بڑا قافلہ تھا، سب کے سب تھک گئے تھے، رات کافی گزر چکی تھی، نیند کا بھی غلبہ تھا، تھکاوٹ کا بھی غلبہ تھا۔ اپنی منزل پہ پہنچے تو لوگ اتنے تھکے ٹوٹے ہوئے تھے کہ لوگ سامان رکھتے ہی لیٹ کر سو گئے۔ ان میں سے ایک ایسا آدمی تھا، وہ اس وقت نہیں سویا، اس نے وضو کر لیا، مصلے کے اوپر آ گیا اور تہجد پڑھنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ فرمایا: اللہ کو یہ بندہ اتنا پسند ہوتا ہے کہ اللہ فرشتوں پہ فخر فرماتے ہیں کہ دیکھو! یہ بھی تو میرا بندہ ہے، اس پر بھی تھکاوٹ تھی، اس پر بھی نیند غالب تھی، مگر اس نے نیند کو غالب نہیں ہونے دیا، میری محبت اس پر غالب آ گئی اور یہ اس وقت بھی کھڑا تہجد پڑھ رہا ہے۔

دوسرا وہ بندہ کہ جوان العمر ہے اور دل میں گھر کرنے والی خوبصورت بیوی بھی پاس موجود ہے، لیکن اس نے اپنا معمول ایسا بنایا ہوا ہے کہ بیوی کو وقت آگے پیچھے دے لیتا ہے، تہجد کا وقت فارغ رکھتا ہے، تہجد کے وقت مصلے پہ اللہ کی عبادت کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نوجوان کو دیکھ کے خوش ہوتے ہیں اور فرشتوں کو فرماتے ہیں کہ دیکھو! اگر یہ چاہتا تو اپنی بیوی کے ساتھ مشغول ہو سکتا تھا، لیکن میری محبت اس پر غالب آئی، یہ مصلی کے اوپر تہجد کی نماز پڑھ رہا ہے۔ اس لیے نوجوان مرد یا عورت کا تہجد پڑھنا اللہ کو بہت پسندیدہ ہے۔

تیسرا وہ آدمی کہ جب دشمن سامنے آ جائے تو وہ اللہ کی رضا کے لیے اکیلا لڑتا ہے حالانکہ اس کو موت سامنے نظر آ رہی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فخر فرماتے ہیں کہ دیکھو! میرے بندے نے میرے لیے کیسے صبر کیا!

(الدر المنثور: ۴/ ۱۳۶، سورۃ آل عمران۔ جامع الاحادیث للسیوطی: ۱۲/ ۵، رقم: ۱۱۳۰۰)

بلکہ ایک حدیث پاک میں فرمایا:

''جو خاوند تہجد کے وقت اپنی بیوی کو جگائے یا جو بیوی تہجد کے وقت اپنے خاوند کو جگائے اللہ ان دونوں کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔''

(المعجم الکبیر: ۳/ ۲۹۵، رقم: ۳۴۴۸)

(۳) گناہوں پر نادم ہونے والا بندہ:

اور تیسری چیز بتائی کہ جو بندہ گناہوں پر نادم ہوتا ہے، اللہ کو وہ بندہ بہت پسند ہے۔ اتنے انسان ہیں، بندے ہیں، بشر ہیں، ہم Intentionaly (دانستہ) بھی غلطیاں کر لیتے ہیں اور Unintentionaly (نادانستہ) بھی ہو جاتی ہیں۔ غلبۂ جذبات میں غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ ہاں! اگر غلطی ہو جائے تو انسان غلطی کر کے پڑا نہ رہے، غلطی پہ جما نہ رہے، بلکہ غلطی کو تسلیم کر کے اللہ سے معافی مانگ لے۔ جو بندہ معافی مانگ لیتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو آ جاتے ہیں اللہ کو وہ بہت پسند ہے۔

ندامت کے آنسو میزانِ عمل میں نہیں تل سکتے:

جبرائیل علیہ السلام ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! انسان جو بھی اعمال کرتے ہیں، ہم ان تمام اعمال کو تو لتے ہیں، اتنا بڑا میزان ہے کہ ساری کی ساری نیکیاں اس کے اندر رکھ دی جاتی ہیں، ان کو تولا جاتا ہے، سوائے گناہگار کے ندامت والے آنسوؤں کے۔ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ آنسوؤں کو کیوں نہیں تولا جاتا؟ فرمایا: ایک ایک آنسو آگ کے سمندروں کو بجھانے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ ہم میزان میں ان آنسوؤں کو تول بھی نہیں سکتے۔ ایک ایک آنسو اللہ کے ہاں کتنا قیمتی ہے!! (الزھد لاحمد بن حنبل: ۱/ ۲۷)

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے میرے عرق انفعال کے

ندامت کے آنسو تو موتیوں کی طرح اللہ کے ہاں قبول ہوتے ہیں۔آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک قیراط کا ڈائمنڈ ہو تو کتنی قیمت ہوتی ہے؟ دو قیراط کا ہو تو قیمت آسمان پہ چڑھ جاتی ہے، تین قیراط تو انسان خریدنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔جب ایک ایک قیراط بڑھنے سے اتنی قیمت بڑھ جاتی ہے۔لگتا ہے کہ گناہگار کے آنسو بھی اللہ کے ہاں اسی طرح قیراط والے خالص ڈائمنڈ کے مانند ہوتے ہیں۔اللہ ان کو قبول کر لیتے ہیں۔

ندامت کے آنسو امپورٹڈ مال ہے:

آپ نے خود بھی زندگی میں تجربہ کیا ہوگا کہ اگر آپ کو کوئی امپورٹڈ چیز بازار میں ملے جو ہر وقت نہ ملتی ہو تو آپ اس کو مہنگی پرائس پر بھی خرید لیتے ہیں۔ہم نے لوگوں کو دیکھا کہ دوگنی پرائس پر چیز خرید کر لے آتے ہیں، بھئی! تم نے اتنا پیسہ کیوں لگا دیا؟ یہ آدھی پرائس پہ بھی مل جاتی تھی۔وہ کہتے ہیں: جی نہیں! یہ امپورٹڈ چیز ہے اور یہ کبھی کبھی ملتی ہے، اس لیے میں نے اس کو زیادہ پیسے دے کے خرید لیا۔تو جب دنیا کا دستور ہے کہ امپورٹڈ چیز کو زیادہ پیسے دے کر خرید لیتے ہیں تو یہ بات ذہن میں رکھیے کہ عرش کے اوپر آسمانوں کی جو دنیا ہے اس میں ندامت کے آنسو نہیں ہوتے۔فرشتے رونا نہیں جانتے، ان کے اندر احساسِ ندامت نہیں ہوتا کیوں کہ وہ تو اللہ کی نافرمانی ہی نہیں کرتے۔

﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ (التحریم:۶)

وہ تو بالکل روبوٹ کی طرح وہی کرتے رہتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔تو ان

کے پاس نافرمانی یا ندامت کے آنسو ہرگز نہیں ہیں، لہٰذا آسمان سے اوپر کی دنیا پر یہ چیز نہیں ہے اور جب فرشتے دنیا میں کسی کو دیکھتے ہیں کہ اس نے گناہ کرلیا، پھر نادم ہوا، شرمندہ ہوا، اب بیٹھا رو رہا ہے تو اس کی آنکھوں کے یہ آنسو موتیوں کی طرح فرشتے چن لیتے ہیں، اللہ کے حضور پیش کر دیتے ہیں۔ یہ وہ قیمتی متاع ہے جو اوپر کی دنیا میں نہیں ہوتی، زمین سے ہی ملا کرتی ہے، ہم یہ لے کر آئے ہیں۔ اللہ اس کے اوپر ڈائمنڈ کا ریٹ لگا دیتے ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ عورتیں اور وہ مرد جو اپنی زندگی کے گناہوں پہ اللہ کے سامنے نادم ہوں، شرمندہ ہوں اور اپنے اللہ کو منانے کے لیے آنکھوں سے آنسو بہائیں۔

پلکوں کے بال کی شفاعت:

حدیثِ پاک سن لیجیے!، ایک حدیث پاک میں آیا ہے قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ حساب کتاب لیں گے تو کچھ لوگ جنت میں چلے جائیں گے اور کچھ جہنم میں چلے جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ انبیا کو شفاعت کی اجازت فرمائیں گے۔ تو ان کی شفاعت والوں کو بھی جنت دے دی جائے گی۔ پھر علما شفاعت کریں گے، حفاظ کریں گے، حتی کہ شہدا بھی شفاعت کریں گے اور عام جنتی بھی شفاعت کریں گے اور سب کی شفاعت پر اللہ جس جس کو چاہیں گے اس کو جہنم سے نکال کے جنت عطا فرما دیں گے۔ پھر کوئی ایسا بندہ نہیں ہوگا جس کی شفاعت کرنے والا کوئی ہو۔ اس وقت ایک بندہ ایسا بھی ہوگا کہ اس کی پلکوں کا ایک بال اللہ کے سامنے یہ فریاد کرے گا: اے اللہ! میں اس بندے کی پلکوں کا ایک بال ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک مرتبہ ندامت کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے اتنا چھوٹا سا آنسو نکلا تھا کہ میں تر ہو گیا تھا، میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ ندامت کے ساتھ رونے والا بندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جبرائیل کو

فرمائیں گے: جبرائیل! اعلان کر دو کہ لوگو! یہ وہ شخص ہے جس کی پلکوں کے ایک بال نے گواہی دی کہ یہ ندامت کی وجہ سے اللہ کے سامنے رویا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کو جہنم سے نکال کر جنت عطا کر دی ہے۔ (البحر المدید: ۶/ ۲۴۱، سورۃ یس)

مکھی کے سر کے برابر بھی آنسو آنکھ سے نکل آئے وہ بھی بندے کو جہنم سے نکال دیتا ہے، خوش نصیب ہیں وہ آنکھیں جو ندامت کی وجہ سے تنہائی میں شرمندہ ہو کر اپنے گناہوں پر آنسو بہاتی ہیں اور اپنے رب کو منانے کی کوشش کرتی ہیں۔

عجیب محفل:

تو یہ ایک عجیب محفل تھی اس دنیا میں۔ محبوب ﷺ نے تین محبوب چیزیں بتائیں...... صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی بتائیں...... عمر رضی اللہ عنہ نے بھی بتائیں...... عثمان غنی نے بھی بتائیں رضی اللہ عنہ ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی بتائیں...... پھر جبرائیل علیہ السلام نے بھی بتائیں اور آخر پر اللہ رب العزت نے بھی بتائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام پسندیدہ چیزوں کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے اور آج کی اس مجلس کے صدقے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے۔

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

مکتبۃ الفقیر کی کتب ملنے کے مراکز

معہد الفقیر الا اسلامی ٹوبہ روڈ، بائی پاس جھنگ 0315-2402102

مکتبۃ الفقیر بالمقابل رنگون ہال، بہادر آباد کراچی 0345-2331357 (اعجاز)

دار المطالعہ، نزد پرانی ٹینکی، حاصل پور 0300-7853059

مکتبہ سید احمد شہید لاہور اردو بازار 042-37228272

ادارہ اسلامیات، 190 انارکلی لاہور 042-37353255

مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور 042-37224228

مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان 061-544965

مکتبہ دار الاخلاص قصہ خوانی بازار پشاور 091-2567539

دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی 021-2213768

علمی کتاب گھر اوجا روڈ، اردو بازار، کراچی 021-32634097

حضرت مولانا گل رئیس صاحب، حضرت قاری سلیمان صاحب (مدظلہم) دار الہدیٰ بنوں

حضرت مولانا قاسم منصور صاحب ٹیپو مارکیٹ، مسجد اسامہ بن زید، اسلام آباد 0332-5426392

جامعۃ الصالحات محبوب سٹریٹ، ڈھوک مستقیم روڈ، پیرودھائی موڑ پشاور روڈر، راولپنڈی 051-5462347

ادارہ تالیفات اشرفیہ فوارہ چوک ملتان 061-4540513 0322-6180738

مکتبہ سید احمد شہید جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک 0923-630964

223 سنت پورہ فیصل آباد

041-2618003,0300-9652292